# بلقیس محمود

## شخصیت اور فن

مُرتب:

**محمّد جنید اکرم**

Marfat.com

# بلقیس محمود

## (شخصیت اور فن)

مرتب :

محمد جنید اکرم

ادارۃ الاویس ○ لاہور

Marfat.com

111134

اہل ذوق کیلئے دیدہ زیب

خوبصورت۔ منفرد اور معیاری

کتب پیش کرنے والا

ادارہ۔

جملہ حقوق محفوظ

| | |
|---|---|
| کتاب | بلقیس محمود شخصیت اور فن. |
| مرتب | محمد جنید اکرم |
| ناشر | اکمل اویسی پیرزادہ |
| سرورق | غلام مصطفیٰ |
| اشاعت | بار اول اگست 1998ء |
| تزئین و اہتمام | راحیلہ بشیر |
| زیر نگرانی | طارق مقبول۔ محمد رمضان |
| کمپوزنگ | علی کمپوزنگ سنٹر فون 5812431 |
| قیمت | [redacted] روپے |

IDARAH - AL - AWAIS LAHORE

رابطہ:

ادارہ الاویس

القرطبہ مارکیٹ' 5 فیروز پور روڈ' مزنگ چونگی لاہور

فون 7575836 - 7551478

Marfat.com

# ترتیب


| | | | |
|---|---|---|---|
| 1 | ابتدائیہ | محمد جنید اکرم | 5 |
| 2 | دیباچہ | ڈاکٹر محمد اجمل نیازی | 9 |
| 3 | اعتراف | محمد جنید اکرم | 12 |
| 4 | دیر آید درست آید | احمد ندیم قاسمی | 13 |
| 5 | بلقیس محمود کی شاعری ——— ایک لاوا | جمیل الدین عالی | 16 |
| 6 | گھریلو رشتوں کی شاعری | جیلانی کامران | 18 |
| 7 | بلقیس محمود ...... ایک تاثر | افتخار عارف | 23 |
| 8 | بلقیس محمود کی زوال ناآشنا شاعری | حفیظ صدیقی | 26 |
| 9 | بلقیس محمود ——— ایک تاثر | شہزاد احمد | 31 |
| 10 | جرات اظہار اور آزادی فکر کی نقیب | محمود اختر | 32 |
| 11 | ایک بہن ایک شاعرہ | شمیم اختر | 37 |
| 12 | مجھے بولنے دو | امجد اسلام امجد | 45 |
| 13 | بلقیس محمود کے لئے اپنے آپ سے تعزیت | ڈاکٹر محمد اجمل نیازی | 46 |
| 14 | بلقیس محمود کا ری برتھ | احمد عقیل روبی | 50 |
| 15 | مجھے بولنے دو کی شاعری | منشا یاد | 56 |
| 16 | ماں کی سچی محبت پر استوار شاعری | زاہدہ صدیقی | 63 |
| 17 | سچے جذبات کی زندہ جاوید شاعرہ | محمد جنید اکرم | 67 |


Marfat.com

| | | | |
|---|---|---|---|
| 18 | بلقیس محمود کے لئے ایک تاثر | شبنم شکیل | 76 |
| 19 | بلقیس محمود سیفی | غضنفر مہدی | 78 |
| 20 | رشتوں کے تقدس کی شاعری | شاہدہ صدیقی | 79 |
| 21 | مجھے بولنے دو | زیب النساء | 83 |
| 22 | میری استاد میری دوست | فرزانہ فاروق فیروز خان | 97 |
| 23 | اردو شاعری کا عجائب گھر | محمد جنید اکرم | 98 |


Marfat.com

# ابتدائیہ

محمد جنید اکرم

بلقیس سیفی، بلقیس محمود یا باجی بلقیس 29 نومبر 1938ء کو دہلی میں پیدا ہوئیں۔ ان سے میری پہلی ملاقات میرے نہایت عزیز اور محبوب دوست منصور سہیل کی معرفت تب ہوئی جب انہوں نے باجی بلقیس کا پہلا شعری مجموعہ "مجھے بولنے دو" مجھے عنایت کیا۔ سچے، کھرے اور سیدھے سادھے جذبات سے بھرپور اس عظیم نظریاتی شاعرہ نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ "مجھے بولنے دو" کی صدائے بازگشت ابھی کانوں میں گونج رہی تھی کہ منصور بھائی کے توسط سے ان کے غیر مطبوعہ شعری مجموعے "سائبان شیشے کا" اور "میرے چاند" دیکھنے کا موقع ملا۔ اسی دوران میں ان کی نثری کتاب بعنوان "اللہ پاکستان لے چل" کراچی سے امین انجم بھائی کی تگ و دو سے شائع ہو کر دنیائے ادب میں متعارف ہونے لگی۔ یہ کتاب بلقیس محمود کے بچپن کی معصوم یادوں کا مجموعہ ہے۔ یہ یادیں تحریک پاکستان سے شروع ہو کر سانحہ مشرقی پاکستان تک پھیلی ہوئی ہیں۔

بلقیس محمود نے لاہور کالج برائے خواتین کے زمانہ طالب علمی ہی میں بہترین طالبہ، اعلیٰ پائے کی مقررہ اور ہر دلعزیز شاعرہ کی حیثیت سے شہرت حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔ ان کے والد محترم ایف ڈی سیفی (فضل الدین سیفی) مرحوم کا شمار اپنے عہد کے اہل علم و دانش میں ہوتا تھا۔ انہیں انگریزی، اردو، عربی، فارسی زبان و ادب پر کمال دسترس حاصل تھی۔ وہ بڑے سخن شناس ہی نہیں بڑے ادب پرست اور ادب نواز بھی تھے۔ یوں شعری ذوق اور ادب سے لگاؤ بلقیس محمود کو وراثت میں نصیب ہوا۔ جس کے سبب انہوں نے کم سنی ہی میں لکھنا شروع کردیا اور طالب علمی ہی کے زمانے میں ادبی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے لگیں۔ لاہور کالج برائے خواتین اور گورنمنٹ کالج لاہور (جہاں سے انہوں نے فلسفہ میں ایم اے کا امتحان پاس کیا) کا زمانہ ان کی علمی، ادبی اور ہم نصابی سرگرمیوں سے بھرا پڑا ہے۔ لاہور کالج برائے خواتین میں وہ "بزم ادب" کی صدر "بزم ادب فارسی" کی صدر اور "کالج کونسل" کی ممبر رہیں۔ انہوں نے 1958ء میں فلسفے میں بی اے آنرز کیا اور پاکستان فلاسفیکل کانگریس سے ایم اے کے لئے انعامی وظیفہ حاصل کیا۔ اسی بنیاد پر انہوں نے 1960ء میں

Marfat.com

گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفے میں ایم اے کا امتحان دیا اور یونیورسٹی بھر میں لڑکیوں میں اول رہیں اور تمام ریگولر طلبہ و طالبات میں دوسری پوزیشن حاصل کی وہ گورنمنٹ کالج لاہور کی طلبہ یونین میں لڑکیوں کی نمائندہ منتخب ہوئیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور ہی سے انہوں نے سرٹیفکیٹ آف میرٹ حاصل کیا۔ بعد ازاں بلقیس سیفی، بلقیس محمود بن کر ازدواجی زندگی کے شب و روز بسر کرنے کے لئے اسلام آباد منتقل ہوگئیں۔ جہاں ادبی محفلوں میں ان کی شناخت نہایت قابل احترام، ہر دلعزیز اور سچے جذبات سے بھرپور شاعرہ کی حیثیت سے ہونے لگی۔

بلقیس محمود "مجھے بولنے دو" کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں۔

"دراصل میری روح کا عشق پاکستان ہے اور جہاں کہیں اس محبوب ارض پاک پر کوئی آنچ آئی تو میری روح تڑپ اٹھی چنانچہ میں نے اس زمانے میں بہت لکھا۔ لکھنا تو اپنے شعور کے وجود کے ساتھ ہی بہت بچپن سے مجھ پر وارد ہوگیا تھا لیکن چھپنا میرے اختیار میں نہ تھا"

اسی طرح "اللہ پاکستان لے چل" کے آغاز میں بھی رقم طراز ہیں۔

"مجھے یوں لگتا ہے کہ میری پیدائش کے وقت میرے ماں باپ کے ہاں یا تو اذان کا رواج نہ آیا یا ان کی ذہنی کیفیت اس جنون کی زد میں تھی کہ خوشی کے جذبات میں اذان کی بجائے "پاکستان' پاکستان' پاکستان" انہوں نے کانوں کے راستے میری روح میں انڈیل دیا یا شاید اس سے بھی پہلے میرے باپ نے کسی ان دیکھی گھڑی میں محبت کا شربت کہہ کر "پاکستان کا تعویز یوں گھول کر میری ماں کو پلا دیا کہ وہ دونوں رانجھا رانجھا کہنے لگے اور میں رانجھا بن گئی"

گویا بلقیس محمود کا خمیر ہی پاکستان کی محبت سے اٹھا تھا۔ اس کے لئے ان کی تحریر میں پاکستان کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں یا دھرتی ماں کے ساتھ ساتھ ماں جایوں کی محبت اور ممتا کے جذبات سے ہم آہنگ نظر آتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں محبت کا پاکیزہ اور لافانی پیغام سچے جذبات کے ساتھ موجود ہے اور وہ بار بار "میرا پیغام محبت جہاں جہاں پہنچے" کا نعرہ لگاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کا تعلق اہل فن کے اس طبقے سے ہے جنہیں

Marfat.com

ان کا مقام زندگی میں نہیں ملتا۔ محبت میرا دل پسند موضوع ہے اسی لئے بلقیس محمود کا یہ پیغام میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا چلا گیا اور میں نے محسوس کیا کہ ان کی یاد کو زندہ رکھنے کا کوئی اہتمام ہونا چاہیے۔ میں نے اسی جذبے کے تحت ممتاز شاعر' ادیب' ماہر تعلیم اور مدیر جناب پروفیسر حفیظ صدیقی ایڈیٹر "تحریریں" سے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔انہوں نے نہ صرف "تحریریں" کے عام یادگار نمبر شائع کئے ہیں بلکہ اصناف اور شخصیات کے حوالے سے بھی ایسے خاص نمبر شائع کئے ہیں جن کا مطالعہ اردو ادب کے حوالے سے کسی بھی موضوع پر کی جانے والی تحقیق کے لئے اسناد کا درجہ رکھتا ہے۔ انہوں نے جہاں زندہ شخصیات پر خاص نمبر شائع کئے ہیں وہاں رفتگاں کے حوالے سے بھی بہت نمایاں کام کیا ہے۔ انہوں نے بلقیس محمود کی یاد میں "بلقیس محمود نمبر" کی اشاعت کو بھی اپنے ادبی منصوبے میں شامل کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے بھی اس خاص نمبر کی ترتیب و تدوین کے لئے اپنی معاونت کی صورت میں خدمات پیش کر دیں۔ میں اپنے لئے اعزاز سمجھتا ہوں کہ محترم حفیظ صدیقی کی وساطت سے مجھے بیسویں صدی کے اردو ادب کی نابغہ روزگار شاعرہ "بلقیس محمود" کی خدمت کا موقع میسر آیا اور ربع صدی سے بھی زائد عرصے سے باقاعدہ شائع ہونے والے معروف ادبی ماہنامے کا "بلقیس محمود نمبر" مرتب کر کے شائع کروانے کا پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

اٹھاسی (88) صفحات پر مشتمل یہ مختصر مگر جامع شمارہ "بلقیس محمود نمبر" دسمبر 1997ء میں شائع ہوا۔ 9 اگست 1998ء بلقیس محمود کی پہلی برسی کا دن ہے گویا اردو زبان کی اس منفرد شاعرہ کو پس پردہ خاک سوتے ہوئے ایک برس بیت گیا۔ اس دلخراش موقع پر منصور سہیل نے پروگرام بنایا کہ مرحومہ کی یاد میں ایک تعزیتی اجتماع الحمرا آرٹ سنٹر میں منعقد کیا جائے۔ پروگرام کے انعقاد کی تیاری شروع ہوئی تو ان کے غیر مطبوعہ شعری مسودے "سائبان شیشے کا" کی اشاعت کا فیصلہ بھی کر لیا۔ بات بڑھتی ہوئی یہاں تک آ پہنچی کہ کیوں نہ ان تمام تحریروں کو یکجا کر دیا جائے جو اب تک "بلقیس محمود" کی شخصیت اور فن کے حوالے سے لکھی گئی ہیں گویا میں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور ایسی تمام تحریریں تلاش کرنا شروع کر دیں۔

اس کتاب میں ماہنامہ تحریریں کے بلقیس محمود نمبر میں شائع ہونے والی تحریروں کے علاوہ چند ایک مضامین مزید لکھوائے گئے اور انہیں کتاب میں شامل کر لیا گیا۔ گویا گزشتہ ایک برس میں جو کچھ میرے علم کے مطابق محترمہ بلقیس محمود کی شخصیت اور فن کے

Marfat.com

حوالے سے لکھا گیا وہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس کام کی تکمیل میں برادران محترم جناب شمیم اختر' امین مجم' ڈاکٹر محمد اجمل نیازی اور خواجہ خورشید انور نے میری بھرپور معاونت کی اور حوصلہ افزائی کی جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ کتاب کی Proof Reading میں میری شریک حیات مصباح جنید نے میرا ساتھ دیا اس کی محبت اور تعاون کے لئے اس کا شکر گزار ہوں۔

ابو جی (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے' آمین) اور امی جی کی دعاؤں کے بغیر میں کسی کام کا نہیں۔ ان کی دعاؤں سے ہی میرا ہر کام پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ان کی محبتوں اور دعاؤں کے لئے ان کا احسان مند ہوں۔ اس کتاب کی اشاعت سے اردو ادب اور بلقیس محمود کی میں کس قدر خدمت کا فریضہ ادا کر سکا ہوں اس کا فیصلہ پڑھنے والوں کی عدالت میں ہو گا۔

محمد جنید اکرم
20 جولائی 1998ء

125 / 3 - B2
ٹاؤن شپ' لاہور
فون :- 5118627

Marfat.com

# دیباچہ

محمد جنید اکرم اس زمانے میں کسی پرانے زمانے کا آدمی ہے۔ وہ رشتوں اور دوستیوں کے لئے اپنی ساری آرزوئیں اور ارادے آزماتا رہتا ہے۔ جو اس کے دل کو اچھا لگے اس پر دل و جان قربان کر دیتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے پیچھے لگتا ہے تو اسے کارنامہ بنائے بغیر نہیں رہتا۔ لگن کیسی ہی ہو وہ مگن ہو جائے تو پھر کسی طرح کی پابندی اور دشواری اس کے آگے ٹھہرتی نہیں۔

وہ ایک ایسے گھرانے کا فرد ہے جہاں علم و ادب اور فنون کے فروغ کے لئے ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں پنجابی زبان و ادب کی ایک نامور شخصیت کا ذکر کروں یہ بتانا ضرور سمجھتا ہوں کہ سٹیج کی دنیا کا مشہور فنکار سہیل احمد بھی اس کا بڑا بھائی ہے۔ اداکار تو اور بھی بہت ہیں مگر میں اس بات کے لئے کوئی دلیل اب تک تلاش نہیں کر سکا کہ مجھے سہیل احمد سے محبت کیوں ہے۔ شاید اس لئے کہ مجھے جنید اکرم سے محبت ہے۔

پنجابی زبان و ادب کے حوالے سے چند لوگوں کا ذکر ہوگا تو ان میں ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کا نام بھی ضرور آئے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی میں بے بہا کام کیا مگر ان کی موت کے بعد یہ ہوا کہ جیسے انہیں بھلا دیا گیا ہو۔ اس زندہ شخصیت کو زندہ تر کرنے والا شخص جنید اکرم ہے۔ جنید اکرم کو اپنے نانا ڈاکٹر فقیر محمد فقیر سے عشق ہے۔ اس وابستگی سے اس نے ڈاکٹر فقیر کے لئے دن رات ایک کیا' ان کے کئے ہوئے سب کاموں کو نئے سرے سے مرتب کر رہا ہے اور اسے شائع کر کے لوگوں کے سامنے لا رہا ہے جیسے یہ کام پہلی بار سامنے آیا ہو۔ ڈاکٹر فقیر زندگی ہی میں "بابائے پنجابی" کے خطاب سے جانے جاتے تھے مگر اس خطاب کے معنی پنجابی سے محبت کرنے والوں کو جنید اکرم نے سمجھائے۔ وہ چاہتا ہے کہ "بابائے پنجابی" اسی صف میں آجائیں جس میں بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ' بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ اور بابائے اردو مولوی عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

جنید اکرم پیدائشی پنجابی ہے۔ پنجابی زبان و ادب کی محبت اس کے لہو میں گھلی ہوئی ہے مگر وہ یہ جانتا ہے کہ بابائے پنجابی' پنجابی زبان کے ان محسنوں میں سے تھے جو قومی زبان اردو کے خلاف نہیں ہیں۔ جنید اکرم بھی پروفیسر اردو کا ہے میں نے اردو زبان و ادب کے حوالے سے بھی ایک چراغ اس کی آنکھوں میں جلتا ہوا دیکھا ہے۔ میں نے چاہا کہ اس کی روشنی بھی بکھرے اور دور دور تک پہنچے چنانچہ میں نے اسے کہا کہ وہ پنجابی زبان و ادب کے ساتھ ساتھ اردو کے لئے بھی کام کرے۔ وہ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کا اچھا شاعر اور ادیب ہے۔ اس کے اردو اور پنجابی کے شعری مجموعے اور نثری مسودے اشاعت کے لئے تیار پڑے ہیں میری خواہش ہے کہ وہ ان کی بھی اشاعت کروائے اور انہیں منظر عام پر لائے۔ جنید اکرم صادق جذبوں کا جوان ہے محبت کرنے والوں کی بات بڑی جلدی مان لیتا ہے چنانچہ اس نے اردو کے حوالے سے جس پہلے کام کا انتخاب کیا اس میں بھی اس کی دوستی اور عزت و تکریم کا بہت دخل ہے۔

علم و ادب سے محبت رکھنے والے منصور سہیل اس کے دوست ہیں اور بلقیس محمود جو اردو کی معروف لکھنے والی تھیں منصور سہیل کی بہن ہیں۔ منصور سہیل بیوروکریٹ ہوتے ہوئے بھی شریف اور اچھا انسان ہے۔ جنید اکرم بھی بلقیس محمود کو اپنی بڑی بہن ہی سمجھتا ہے۔ وہ ان کا قائل بھی ہے کہ بلقیس محمود نے اپنی زندگی میں بہت کام کیا چنانچہ پہلے تو اس نے یہ کیا کہ مجھ سے آغاز کیا اور بلقیس محمود کے لئے کالم اور مضامین لکھوائے۔ میں بھی انہیں بہنوں کی طرح سمجھتا ہوں اور راولپنڈی میں قیام کے دوران میں ان سے ملاقات کی سعادت بھی حاصل کر چکا ہوں۔ جنید نے اس پر اکتفا نہ کیا اور حفیظ صدیقی اور زاہدہ صدیقی کے اردو رسالے ماہنامہ تحریریں کا ایک "بلقیس محمود نمبر" مرتب کیا جو دسمبر 1997ء میں شائع ہوا۔ اب اس نے سوچا ہے کہ بلقیس محمود کے کام کے حوالے سے ایک باقاعدہ کتاب مرتب کی جائے جو محفوظ رہے اور آنے والے لوگ اس سے استفادہ کریں۔ مجھے امید ہے کہ یہ ایک زندہ کتاب ہوگی۔ جنید اکرم نے ایک اچھا آغاز کیا ہے اور مجھے اس کے انجام کی کوئی فکر نہیں کیونکہ وہ جب کسی کام میں پڑتا ہے تو اس کے لئے سب مشکلات کا سامنا

Marfat.com

کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ محنت کرنا اس کا شیوہ ہے اور جب محنت میں محبت شامل ہو جائے پھر اس میں آدمی کو بہت سرور ملتا ہے جو کہیں اور ممکن ہی نہیں ہوتا۔

جذبوں کی ایک فراوانی بلقیس محمود کے پاس تھی اس میں جنید اکرم کی جانفشانی شامل ہوئی ہے تو یہ کوشش اردو ادب کی تاریخ میں نہ صرف قابل ذکر ہوگی بلکہ ناقابل فراموش بھی ہوگی۔ بلقیس محمود کے سب بھائی نہ صرف علم و ادب کا ذوق و شوق رکھتے ہیں بلکہ اپنی بڑی بہن کے لئے بہت محبت کے جذبات بھی رکھتے ہیں۔ شمیم اختر، امین نجم اور منصور سہیل نے اپنی اپنی جگہ اپنی بڑی بہن کے ادبی کاموں کی اشاعت میں دلچسپی لی ہے۔ تینوں نے مل کر اپنی اس خواہش کو مشن کا درجہ دیا۔ جنید اکرم کی کاوشوں میں بھی منصور سہیل کی محبتوں کا بہت دخل ہے۔ خدا ایسے بھائی سب کو دے جو جذب و کیف اور ذوق و شوق سے بھرا ہوا دل رکھتے ہوں۔ اس طرح کبھی کوئی شخصیت گمنامی کے گرد و غبار میں چھپ نہیں جایا کرے گی۔ محبت مرنے والوں کو بھی دیر تک زندہ رکھتی ہے۔

ڈاکٹر محمد اجمل نیازی
16 جولائی 1998ء

Marfat.com

# اعتراف

یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں نہ ہوتی اگر میرے محترم بھائی اور دوست

## منصور سہیل

(ایڈیشنل سیکرٹری اطلاعات و ثقافت و امور نوجواناں حکومت پنجاب)

کا بھرپور اور ہر ممکن تعاون میری راہنمائی نہ کرتا اور اگر ان کی بے پناہ محبتوں کا میں مقروض نہ ہوتا لہذا اس کتاب کا انتساب میں انہی کے نام کر رہا ہوں۔

محمد جنید اکرم

20 جولائی 1998ء

Marfat.com

# دیر آید درست آید

احمد ندیم قاسمی

بلقیس محمود کے ہاں سچ بولنے اور حق کا اعلان کرنے کی خواہش اتنی شدید ہے کہ بعض اوقات ان کی آواز میں تلوار کی کاٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے پہلے مجموعہ کلام کا نام ہی "مجھے بولنے دو" ہے' اور اسی عنوان کی ایک نظم میں انہوں نے اپنے مزاج کی اس شدت کو ان الفاظ میں مجسم کردیا ہے۔

مجھے بولنے دو
سنا ہے کبھی آدمی کے لبوں سے خدا بولتا ہے۔

(مجھے بولنے دو)

مسائل کے بارے میں گہری فکر کی رو بلقیس محمود کے کلام میں شروع سے آخر تک بین السطور رواں رہتی ہے مگر ان کے فن میں جو جذبہ سب سے زیادہ نمایاں ہے' وہ وطن سے محبت' آزادی کا تحفظ اور معاشرتی نیز سیاسی مظالم کے خلاف غیر مشروط احتجاج ہے۔ نعتیہ نظموں میں ہی انہوں نے وضاحت کر دی ہے کہ وہ بڑے صاف' سچے' کھرے لفظ' کہنے کی عادی ہیں اور ان کا منصب "زندہ جذبوں کی پیغامبری" ہے۔

جب وہ گرد و پیش کی صورت حال کا فن کارانہ تجزیہ کرنے بیٹھتی ہیں تو یقیناً" آغاز تو "میرے قائد تیرے نام" سے کرتی ہیں مگر مجال ہے جو وہ اپنے جوش و جذبہ کے وفور میں' کسی بھی مرحلے پر ان کروڑوں افراد کو بھول جائیں جو وطن کا سرمایہ ہیں اور عوام کہلاتے ہیں۔ انہوں نے تو یوم آزادی کا بھی یہ منفرد منظر پیش کیا ہے۔

یہ مری معراج کا دن ہے
مرے ہر فرد کی جب تاج پوشی تھی (وصیت)

آزادی کے حوالے سے "ہر فرد کی تاج پوشی" کا یہ تصور حق گوئی اور جمہور دوستی کی ایک بلیغ مثال ہے۔ اسی طرح وہ ایک اور نظم میں واضح طور پر اعلان کرتی ہیں کہ۔

چند نام آگئے تاریخ میں معماروں کے
ان گنت وہ کہ نشاں تک نہیں بیچاروں کے (وراثت)

یہ "ان گنت وہ" بلقیس محمود کی ہمدردیوں اور محبتوں کا مرکز ہیں اور یہی وجہ ہے

Marfat.com

کہ ان کا کلام اس "ان گنت" اکثریت کا سچا ترجمان ہے۔

وطن سے محبت ان کی نظموں میں لہو کی طرح رواں رہتی ہے۔ اس ضمن میں نظم "اٹھو" بطور خاص قابل ذکر ہے' پھر اسی وطن کو آمریت اور جمہوریت کشی کے جن ادوار سے گزرنے کا کرب سہنا پڑا ہے' انہیں بلقیس محمود نے اپنے کلام میں کچھ اس طرح سمو دیا ہے کہ ان کی بیشتر نظموں کو آزاد پاکستان کی منظوم سیاسی تاریخ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے ان کی نظمیں "نقیبان سحر"، "شہید سحر" اور "آشوب آگہی" کا موضوع اس شعر میں مجسم کردیا گیا ہے ۔

سیہ پوشو ! کہیں سورج کا کوئی مر گیا ہے کیا؟
سحر زادو ! سویرا شہر خالی کر گیا ہے کیا؟

پھر اس صورت حال کا صرف ایک پہلو نہیں ہے۔ ارض پاکستان کے خواب کے تعبیر تک پہنچنے کے لئے جو تاریخ انسانی کی ایک عظیم ہجرت عمل میں آئی تھی اس کا بلقیس کے کلام میں جا بجا کرب و انبساط کے ملے جلے جذبات کے ساتھ موثر تذکرہ موجود ہے۔ کشمیر کو گزشتہ نصف صدی سے جس ظلم و جبر اور استحصال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے' اس پر بلقیس تڑپ تڑپ اٹھی ہیں اور اس اضطراب کا اظہار انہوں نے متعدد نظموں میں کیا ہے۔ اس سرزمین کی نئی نسل کو جن حالات کا سامنا ہے' وہ بھی ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ جب وہ یہ کہتی ہیں کہ ۔

ہمارے حصے کے چاند سورج بھی تھک چکے ہیں

(پرانے لکھنے والوں کے نام)

توہ اس نسل کے کرب اور اس کی بے جہتی کی صحیح عکاسی کرتی ہیں۔ بحیثیت خاتون وہ خواتین کے مسائل کو کس طرح نظر انداز کرسکتی تھیں' چنانچہ انہوں نے "بہنوں کے نام" اور "برادران علم و فن" میں اس "آدھی عورت" کا نوحہ رقم کیا ہے جو تخلیق کا ایک مقدس منبع ہونے کے باوجود' قریب قریب ہر معاملے میں معاشرے کی منفی قوتوں کا ہدف ہے۔ ان کی ایک نظم "اخبار" ہے اور ایک کا عنوان "خبرنامہ" ہے۔ دونوں میں صحافت' سیاست اور معاشرت پر اتنا شدید طنز بھرا ہوا ہے کہ اگر ارباب صحافت و سیاست و معاشرت ان کا بالا ستیعاب مطالعہ فرما لیں تو انہیں آئینے دیکھنے کی ضرورت نہ رہے۔

بلقیس محمود نے "محبت" کو بھی اپنے فن کا موضوع بنایا ہے مگر قطعی منفرد انداز

Marfat.com

میں۔ وہ محبوب سے مخاطب ہو کر پوچھتی ہیں ۔

تمہارے کون سے چہرے میں
تم ہو؟

(وقت سے باہر)

یا دو افراد کی ایک انتہائی محبت کو پانی، بجلی کے بل چھری کی طرح کلٹ ڈالیں تو بلقیس کہتی ہیں ۔

کوئی خواب اور گولیاں لاؤ
کہ میں پھر سے
انہیں خوابوں میں کھونا چاہتی ہوں
اب اس کے بعد
ساری عمر رونا چاہتی ہوں

یوں سمجھئے کہ بلقیس محمود کی شاعری زندگی کی گونا گونی اور تنوع سے عبارت ہے۔ ان کی نظموں کا مطالعہ کرتے ہوئے کہیں کہیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ نظم کچھ زیادہ ہی بیانیہ ہوتی چلی جا رہی ہے مگر پھر یکایک فن کی ایک "ماسٹر سٹروک" نقشہ بدل دیتی ہے اور نظم "فن پارہ" بن جاتی ہے۔

اتنی اہم شاعرہ نے اس تمام عرصے میں عملاً "گوشہ نشین رہ کر بڑی زیادتی کی ہے' مگر اب وہ سامنے آئی ہیں تو کیسے بھرپور انداز میں آئی ہیں کہ میں اعتماد سے اعلان کرسکتا ہوں کہ فصاحت' بلاغت اور شدت کی شاعری کا یہ مجموعہ "مجھے بولنے دو" اردو کے شعری ادب میں ایک یادگار اضافہ ثابت ہوگا۔

Marfat.com

# بلقیس محمود کی شاعری...... ایک لاوا

جمیل الدین عالی

بلقیس محمود کے بارے میں ممتاز مفتی سے بہت کچھ سنا تھا۔ ان کی صفات میں نے سنیں مجھے حیرت ہوئی اور تعجب بھی ہوا کہ ایک آج کی شاعری اور آج کی بیوی اور Working Lady بچوں کی ماں' بھائیوں کی بہن جس کو کافی ملغوبہ ہونا چاہیے تھا مختلف تضادات کا اور انتشارات کا اور پریشانیوں کا' وہ ایک ایسی خوبصورت' بامحبت شخصیت کا تسلسل پیش کرتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ وہ وطن کے گیت بھی گاتی ہے' اتنی زیادہ صفات کی خواتین مجھے زندگی میں بہت کم نظر آئیں۔ محترمہ بلقیس محمود مجھے بہت بڑی شخصیت لگتی ہیں اور میں اپنے آپ کو بڑا محروم محسوس کرتا ہوں کہ میں نے ان کو شدت نظر سے نہیں دیکھا۔

ان کی پہلی کتاب (مجھے بولنے دو) بے شک اپنے وقت کے اعتبار سے بہت دیر میں چھپی۔ لیکن یہ کتاب تو ایک لاوا ہے ایک آگ کے ہزاروں لاکھوں کروڑں شعلوں کا مجموعہ ہے۔ معاف کیجئے گا' لاوا نقش و نگار بنانے کے لئے نہیں نکلتا' جب لاوا پھٹتا ہے تو وہ پھٹتا ہے اور کسی پلان کے بغیر پھیلتا ہے۔ وہ نقش و نگار نہیں بناتا۔ وہ پھول پتے نہیں بناتا اور یہی آگ بھی کرتی ہے۔ جب آگ لگتی ہے تو وہ جلتی ہے اور جلاتی ہے۔ وہ دیوالی کی شمعوں کی طرح محفل آراستہ نہیں کرتی۔ یہ کتاب لاوا ہے ایک پاکستانی' شاعرہ' منفرد انسان ایک حساس دل کی ان محسوسات کا جو وقتاً فوقتاً وارد ہوئے یا جنہوں نے ان کو کہنے کے لئے مجبور کیا۔ ان آگوں کا' ان بہت سارے شعلوں کا جو ان کو کچھ کہنے کے لئے مجبور کرتے رہے۔ کس بے تکلفی سے کس روانی سے کس جرات سے کہتی تھیں وہ سب کچھ جو ہر کوئی نہیں کہہ سکتا۔ جرات بھی اس زمانے کے حوالے سے بڑا کام تھا۔ کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے شاعر یا ادیب کو اس قدر بے باک انداز میں سب کچھ کہنے کی جرات دے اور پھر آج کا زمانہ کونسا آپ کو جرات کی اجازت دے رہا ہے۔ آج تو ضابطہ اخلاق کی باتیں ہو رہی ہیں اور خاص طور پر ہم جو کراچی کے رہنے والے ہیں۔ کراچی میں تو آپ اس سے آدھی بات بھی نہیں کہہ سکتے جو بلقیس محمود کی شاعری میں کہی گئی ہے۔ آج بھی صرف حکومت ہی نہیں

Marfat.com

دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جبر ایک ادیب پر شاعر پر' اس کی سچائی کے خلاف' حکومتیں ہی نہیں کرتی ہم خود بھی کرتے ہیں ہمارے ممالک کرتے ہیں ہمارے موقف کرتے ہیں ہماری سیاسی پارٹیاں کرتی ہیں ہمارے پیشہ ور قاتل کرتے ہیں ہمارے معاصر کرتے ہیں سب سے بڑی بات یہ کہ ہم معاصرین جو ایک دوسرے کے سامنے واہ واہ کہتے نہیں تھکتے ہم اس کو اپنے سامنے کہنے والے کے خلاف اس کی غیبت کر کے اس کی کردار کشی کر کے اس کو کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑتے۔ یہ بھی جبر ہے اس کے خلاف بھی مزاحمتی شاعری ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ یہ ہم خود کرتے ہیں۔

میں نے ایک بات محسوس کی ہے جس کے لئے میں اپنا ایک تاثر آپ کی خدمت میں پیش کئے دیتا ہوں اور اگر اس کو پورا کرنے کے لئے کسی کو میری عملی خدمت' حقیر خدمت کی ضرورت پیش ہوئی تو وہ حاضر ہے۔

میں ایمانداری سے کہتا ہوں کہ یہ کتاب ایک پورے Seminarial Discussion کی مستحق ہے۔ اسلام آباد میں یا لاہور میں اور کراچی میں انجمن ترقی اردو کا دفتر اگر آپ چاہیں تو میں پیش کرتا ہوں۔ اس شخصیت اور کتاب کے مختلف پہلوؤں کو آمنے سامنے بیٹھ کر مقالے پڑھ کے' اس کے بعد Discussion کی جائے اور اس کو ریکارڈ کر کے شائع کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بلقیس محمود اور اس کی شاعری قطعاً" اس بات کی مستحق ہے۔

Marfat.com

# گھٹیلو رشتوں کی شاعری

جیلانی کامران

بلقیس محمود نے جب اپنے پہلے شعری مجموعے کو نام دیا تھا: "مجھے بولنے دو" تو شاید بہت کم قارئین کو احساس ہوا ہوگا کہ وہ کیا شے ہے جو بلقیس محمود کو بولنے کا اذن دے رہی ہے اور جس کے لئے بلقیس محمود بھی اصرار کر رہی ہیں کہ انھیں سنا جائے۔ گویائی انسان کا اثبات وجود بھی ہے لیکن جب ایسا اثبات وجود شاعری کے ذریعے اپنی صدا بلند کرنا چاہے تو کئی نوع کے منظرنامے اپنے اظہار کے لئے بے تاب ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ بلقیس محمود کے کلام میں ان منظر ناموں کی نشاندہی ضروری بھی ہے اور باعث تسکین بھی کہ انھوں نے جس جانب اشارے کئے ہیں ان کی طرف ہمارے عہد کی نگاہ کم گئی ہے.... میں ان موضوعات کو بلقیس محمود کے منظرناموں میں شامل نہیں کرنا چاہتا جن سے ہم بخوبی آشنا ہیں۔ ان کے پہلے مجموعے کے حوالے سے ایک بات یہ واضح ہوتی ہے کہ اردو شاعری میں خواتین نے اس صدی کے دوران میں جس نوع کی آواز کو شعری قالب دیا ہے اس سلسلے میں بلقیس محمود کا مقام منفرد ہے۔ انھوں نے خواتین کے طرز احساس کو ایک نئے شعور کے ساتھ اپنے عہد کی روداد بنایا ہے.... اور میری رائے میں اس روداد کو جاننا بامعنی بھی ہے۔

خواتین کے طرز احساس کا ایک پہلو جسے بلقیس محمود نے بیان کیا ہے عہد حاضر کی مسلمان عورت کا ایک غیر محرم دنیا میں وارد ہونا ہے۔ بلقیس محمود نے اس عورت کو اپنے ملک میں وارد ہوتے دیکھا ہے اور اس کے لئے دشواریوں کا دکھ محسوس کیا ہے۔ ان کے پہلے مجموعے کا طرز احساس اس بنیادی جہت کی نشاندہی کرتا ہے یہ بلقیس محمود نوعمر لڑکیوں کے آنے والے کل سے غم زدہ بھی ہیں اور اس اندیشے کا ذکر بھی کرتی ہیں کہ ان کو آزادیوں سے محروم رکھنے کے لئے کوئی حصار بند دنیا ان کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہی ہے اور وہ ایسی غیر محرم دنیا میں تنہا اور اکیلی زندگی گزارنے پر مجبور کی جا رہی ہیں۔ بلقیس محمود کا اشارا ان نوعمر لڑکیوں کی جانب ہے جو ذہین ہیں، خوبصورت خیالات رکھتی ہیں اور اپنے وجود کی گواہی کا اظہار چاہتی ہیں۔ اگر واقعی کوئی ایسی دنیا ماحول میں اترنے کو ہے اور نوعمر لڑکیوں کا مستقبل جس کی زد میں ہے تو بلقیس محمود

Marfat.com

نے اپنے ملک کی عورت کو بروقت خبردار کیا ہے کہ وہ ایسے غیر محرم ماحول میں اپنا محرم اپنے وجود ہی میں تلاش کریں تاکہ وہ بامعنی طور پر جی سکیں اور اپنے ہونے کو ہو جانے میں بدل سکیں .... عورت کے سانحاتی اندیشوں کا بلقیس محمود نے اردو شاعری میں پہلی بار ذکر کیا ہے۔ بلقیس محمود کو ایسے زمانے میں عورت کا جینا ایک صبر آزما کارنامہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ جہاں خوبصورتی باقی نہیں رہی اور کائنات اور زمانہ محض وسعت بن چکے ہیں۔ بلقیس محمود کا شعری ادراک اس امر کی دردمندی کا ذکر کرتا ہے کہ دنیا نے کوئی نہ کوئی ایسا رخ ضرور بدلا ہے کہ عورت کی غلامی کے دن آ رہے ہیں....

عورت کی صورتحال' عورت کی نظروں سے بلقیس محمود کا تجربہ بن کر ظاہر ہوتی ہے اور ایسی صورتحال اس احسان مندی کے احساس سے اپنا تاثر اخذ کرتی ہے جہاں عورت کو فخر کائنات ﷺ نے آزادی کے نعمت سے نوازا تھا.... بلقیس محمود کا احساس احسان مندی ان کی نعت میں نمایاں ہے جو پہلے مجموعے کی پہلی خوبصورت نظم ہے۔ اس کا یہ اقتباس قابل ذکر ہے۔

"اور.... میں
کہ جو کل ——
مسکراتی نگاہیں لئے
لحظہ لحظہ محبت کو بے تاب بانہیں لئے
تپتے صحراؤں میں
زندہ گاڑھی گئی
شفقتوں' عزتوں سے نکالی گئی....
آبرو کی ردا مجھ پہ ڈالی گئی ——
آج میں ——
نعت کہتی ہوئی
رجز پڑھتی ہوئی
تخت انصاف کے روبرو نعرہ زن
زندہ جذبوں کی پیغام بر ہوں....
اے نور ازل!
میں تری نعت خواں ہوں...."

Marfat.com

بلقیس محمود کی نظریں عورت کے لئے جس مستقبل اور آنے والے کل کو دیکھ کر غمناک ہوتی ہیں اسے ان آزادیوں سے ہمکنار کرنا بھی زمانے کی ذمہ داری ہے جن کا حق فخر موجودات ﷺ نے عورت کو دیا ہے۔ بلقیس محمود نے اپنی شاعری کو احتجاج بنانے سے گریز کیا ہے۔ انہوں نے اپنے تجربے کو اپنے عہد کی عورت کا گواہ بنایا ہے۔ اس اعتبار سے بلقیس محمود کا مقام ہمارے نسائی شعری ادب میں خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

بلقیس محمود کی دو نظموں نے جن کے عنوان ہیں "شوگر کی مریضہ" اور "مجھے مرنے نہ دو"، خواتین کی اردو شاعری میں بلقیس محمود کو ایک ایسے تجربے اور واردات سے دوچار کیا ہے جس کا اردو شاعری میں بہت کم اظہار ہوا ہے۔ بیماری اور زندگی سے رخصت ہو جانے کا صبر آزما احساس انسانی زندگی کے ہوش ربا حقیقتوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کو شعری صورت بہت کم دی گئی ہے۔ انگریزی شاعری میں بلقیس محمود جیسی صورتحال ا۔ملی برونتے میں نظر آتی ہے لیکن ا۔ملی برونتے نے بھی اپنی بیماری کو ان نگاہوں سے نہیں دیکھا جس سے بلقیس محمود نے دیکھا ہے۔ ایسا فرق زمانے کی مسافت سے بھی رونما ہوا ہے۔ ا۔ملی برونتے کی بیماری نے اسے تنہائی دی ہے جب کہ بلقیس محمود کے احساس نے انہیں اس گہرے شعور کا علم دیا ہے جو انسانی جسم کے اندر موت کو قریب سے تڑلاتا ہے اور جسم ریت کے گھروندے کی طرح برابر ٹوٹتا ہے اور جسم کے ایسے سانحے سے جو پرسونا' بلقیس محمود کی نظم میں آشکار ہوتا ہے وہ ماورائے جسم کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ایسے تجربے نے بلقیس محمود کی اس نظم میں ذہن و بدن کی دوئی کو فلسفیانہ طور پر نمایاں کرتے ہوئے اسے شعری صورت دی ہے اور زندہ رہنے کا احساس شدید تر ہو کر اس نظم میں آشکار ہوا ہے جس کا عنوان ہے۔ "مجھے بولنے دو" زندگی کے کسی موڑ پر یہ دونوں صداقتیں اتنے قریب سے نہیں گزریں جتنے قریب سے یہ صداقتیں بلقیس محمود کے تجربے میں گزری ہیں اور جہاں ان صداقتوں نے شعری صورت بھی اختیار کی ہے۔

جس تجربے کا ذکر کیا گیا ہے اس نے بلقیس محمود کے زیر نظر مجموعے کو صورت دی ہے جس کا عنوان ہے' "سائبان شیشے کا"۔ غالباً" خواتین کی شاعری میں لفظ اس شدت سے بہت کم بولے ہیں جس طرح بلقیس محمود کے تجربے نے اس کو قوت گویائی دی ہے۔ کچھ اسی طرح یہ عنوان بھی ہمکلام ہوتا ہے اور سائبان شیشے کا ایک استعارہ

Marfat.com

بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ اس جسم کے لئے جو ریت کا گھروندا بن کر بکھر رہا ہے۔ ان رشتوں کا استعارہ بن کر کلام کرتا ہے جو آمد مرگ اور احساس مرگ کے تلے ایک نئی صورت اور کشش حاصل کرتے ہیں..... ایسے استعارے نے زندگی کی ایک غیر مانوس محبت کو اہم بنایا ہے۔ بلقیس محمود اس غیر مانوس محبت کی شاعرہ ہیں۔

بلقیس محمود نے عورت کے جس ماحول اور اپنے عہد کی خواتین کی جس صورتحال کا ذکر کیا ہے اور خود وہ جس شعور اور تجربے سے گزری ہیں اور جس میں موت کی چاپ بھی سنائی دیتی ہے اس میں عورت کو اپنے ہونے کا احساس صرف رشتوں کی پاکیزگی ہی میں دکھائی دے سکتا ہے اور دیتا ہے اور ان رشتوں میں خدا کا رشتہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جسے ماں کے حوالے سے بلاتے ہوئے بلقیس محمود کہتی ہیں۔

"اے دعاؤں کی ماں
تو کہاں کھو گئی.....

.....

اب دعا کے خدا
خود میرے گھر میں آ
خود میرے گھر میں آ....."

بلقیس محمود نے گھرانے کو شعری شان و شوکت دی ہے اور گھرانے میں شاعری کی قد و قامت کو پایا ہے۔ یہاں ماں، باپ، بھائی اور بہنیں گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن ہر ایک کے جسم و جان سے شاعری کا روشن لہجہ آشکار ہوتا ہے۔ ان کی نظم "زرینہ مر گئی ہے" ایک عدیم المثال شے ہے اور بہت حد تک اپنے انداز بیان اور رنگ کی کلاسیک بھی ہے۔ گھرانے کی شاعری بھی عجیب چیز ہے جہاں یادیں ہی یادیں آتی جاتی ہیں اور ان سے دل کے اندر کی دنیا اپنی توانائی پاتی ہے۔ گھرانے کو اس انداز میں کبھی پہلے شاعری کی دنیا میں نہ تو دیکھا گیا ہے اور نہ اس پر کبھی بات ہوئی ہے۔ گھرانے کو اس آنکھ سے صرف بلقیس محمود ہی دیکھ سکی ہیں۔ گھرانے نے ان کی روح کے لئے ایک ارضی بہشت کی صورت اختیار کی ہے۔

اس مجموعے میں شہر لاہور نے والدین اور بہن بھائیوں کے شہر کی شکل پائی ہے اور بلقیس محمود کے میکے کا شہر بن کر سامنے آیا ہے لیکن یہ پیارا اور عزیز شہر بچھڑے ہوئے پیاروں کا شہر بن کر شاعرہ کے دل سے کلام کرتا ہے۔

Marfat.com

"میں شاہ راہوں پہ بھٹکوں' گلی گلی ڈھونڈوں
قدم قدم مجھے پردیس ہوگیا لاہور
جنم کا رشتہ تھا' میں مائیکہ سمجھتی تھی
گئے جو بانی جذبات' تو گیا لاہور
نفس نفس میں اذیت سی بو گیا لاہور
عجیب سوختہ سامان' سا ہوگیا لاہور"

بلقیس محمود نے گھرانے کو رشتوں کی زبان میں آواز دی ہے۔ خالہ' زاہدہ' چھوٹی بھابی' بڑی بھابی' محمود کی بیوی' پچو کے نام' امین' رفعت' منصور'..... یہ نام صرف ایک گھرانے کے بسنے والوں ہی کے نہیں جہاں کہیں بہنوں کے بھائی' ماں باپ' ان کی بھابیاں' خالائیں اور دوسرے رشتے لیتے ہیں' ان سب کے نام ہیں۔ اگر اس طرح دیکھا جائے تو گھرانے کی تمثیل نے ایک دھڑکتا ہوا وطن ظاہر کیا ہے جہاں محبتیں آباد ہیں اور محبتوں کے تاروں سے بندھی ہوئی یاداشتیں سب کو آپس میں پروتی ہیں۔ ان خوبصورت یاداشتوں اور یادوں نے کتنی بلند پایہ نظمیں دی ہیں اس کا اندازہ ان کو پڑھ کر ہوگا۔

ان نظموں کا فن منفرد ہے اور الفاظ کا استعمال قابل ذکر ہے لیکن سب سے بڑی خوبی جذبوں کا الفاظ کے اندر جاری اور ساری ہوتا ہے۔ بلقیس محمود اپنے عہد کی خواتین نظم نگاروں میں ایک بلند مقام پر دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے گھرانے کے بطن سے شاعری کو اخذ کرکے جو تخلیقی کارنامہ انجام دیا ہے وہ اردو شاعری کے تذکرے میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے۔

111134

Marfat.com

# بلقیس محمود...... ایک تاثر

افتخار عارف

بلقیس محمود سے میری پہلی ملاقات 1990ء کے اوائل میں "رابطے" کی محفل میں جناب ممتاز مفتی کے گھر ہوئی تھی۔ اس وقت مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ شعر کہتی ہیں۔ جس اخلاص اور جس شفقت کے ساتھ وہ اور محمود بھائی پیش آتے تھے وہ میرے لئے طمانیت اور حوصلے کا سبب بنتا تھا۔ بعد میں محفلوں میں ان کے شعر سنے بھی، رسالوں میں کچھ چیزیں نظر سے بھی گزریں پھر ان کی کتاب دیکھی تو انداز ہوا کہ وہ کتنی لگن کے ساتھ کیسی ملک کے ساتھ شعر سے اپنے آپ کو وابستہ رکھتی تھیں۔ "مجھے بولنے دو" کے پیش لفظ میں انہوں نے لکھا ہے کہ "میں نے بچپن ہی سے بے شمار لکھا ہے" انہوں نے پیش لفظ کے اختتامیئے میں زمانے اور وقت کی وفاؤں کا شکریہ ادا کیا ہے۔ یقیناً" وہ جانتی ہوں گی کہ زمانہ چلتی ہوئی اور فنا کے گھاٹ اتارتی ہوئی تلوار کی طرح ہے مگر وہ اس کو بے وفا کہتے ہوئے جھجھکتی ہوں گی۔ ان کی شائستگی، شخصیت کی نرمی اور بھرپور محبت کا رویہ ان کی لغت میں منفی لفظوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں رکھتا تھا۔ انہوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی۔ دونوں اصناف سخن میں ان کا شعر ان کے مصرعے ایک اختصاص کے حامل ہیں۔ جذبہ اور احساس کی شدت ان کے بیان میں غالب رہتی ہے۔ "مجھے بولنے دو" میں کوئی مصرع ہی ایسا ہوگا جو شدت کا اور ایک خاص وضع کے وفور کا اظہار نہ کرتا ہو۔ کچھ مصرعے تحریر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

منتشر ہو گئے سب لوگ ہمارے گھر کے
رابطے ٹوٹ گئے جان سے پیارے گھر کے
لمحے بھر روشنی آتی ہے چلی جاتی ہے
قمقمے کون بجھا دیتا ہے سارے گھر کے

بلقیس کی شاعری میں نظم کے دو بنیادی موضوعات ہیں۔ قوم و ملت کے حوالے سے جن نظموں میں ان کی دردمندی اور اخلاص کا اظہار ہوا ہے اور دوسرے انسانی رشتوں اور خصوصاً" خاندانی محبتوں کے بیان کے حوالے سے جو نظمیں انہوں نے کہی

Marfat.com

ہیں دونوں طرح کی نظمیں اپنے تاثر اور اظہار میں بہت کامیاب ہیں۔ ادا جعفری اور زہرہ نگاہ نے بچوں کے حوالے سے بہت خوبصورت نظمیں کہی ہیں۔ ان کے بعد پروین شاکر اور شبنم شکیل نے بچوں کے بارے میں نئے زاویئے سے شعر لکھے ہیں۔ بلقیس محمود نے اس روایت میں بہت خوبصورتی سے اپنی تخلیقی صلاحیت کا اظہار کیا ہے۔ ان کی نظم اور غزل پڑھ کے ایک اور احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک نشست میں پوری نظم یا پوری غزل کہہ لیتی ہیں۔ وہ ایک ہی لمحے میں' ساعت موجود میں' جو تاثر جو جذبہ کوئی خیال ہوتا ہے وہ اسے تخلیق کر دیتی ہیں اسے نظم کر لیتی ہیں۔ چنانچہ شدت اور وفور سے بھرپور تاثر کے ساتھ اظہار پاتی ہیں نظم "ریٹائرمنٹ" کے چند مصرے دیکھئے۔

جواں لمحوں کی رعنائی نچھاور کر کے دنیا پر
زمانے بھر کی دانائی سجا کر اپنے ماتھے پر
خدا کا شکر ہے زندہ سلامت لوٹ آئے ہو
مجھے تو زندگی میں
آج پہلی بار اپنے لگ رہے ہو تم
وہ سرکاری سا چہرہ
غیر سرکاری نظر آتا ہے برسوں میں
مسلسل عقل پر اک دفتری ترجیح کا پردہ
ہمیشہ ضابطوں کی پل صراطوں پر
فقط اک سمت میں چلتا ہوا بے انتہا بندہ

ان کی ایک نظم "شام" کے مصرے ہیں"

یہ کیسی شام ہے خود زندگی پہ خوف طاری ہے
کہ جیسے دن کے ڈھلنے کی نہیں خود اس کی باری ہے

ایک اور جگہ لکھا ہے

تہمت چارہ گری تھی کہ اٹھائی تو نے
میں تو مر کر بھی ترے ناز اٹھائے جاؤں

ایک اور نظم ہے

محبت میں انا کوئی نہیں ہے
وفا کی انتہا کوئی نہیں ہے

Marfat.com

بتایا نا ہمیں ایسے گیا ہے
یہاں یوں اور نیا کوئی نہیں ہے

یا پھر لکھتی ہیں

آؤ احساس کی تکلیف سہو میرے ساتھ
میں دعا مانگوں تو آمین کہو میرے ساتھ
تم سبھی لوگ بھی وہ چاہو جو میں نے چاہا
کیسے ممکن ہے کہ پھر وقت نہ ہو میرے ساتھ

Marfat.com

# بلقیس محمود کی زوال نا آشنا شاعری

پروفیسر حفیظ صدیقی

جنید اکرم نے مجھے بلقیس محمود کی شاعری کے حوالے سے لکھنے کے لئے کہا تو میں نے اسے کہا کہ چونکہ اس کی شاعری انسانی رشتوں کے حوالے سے ہے جو میرا مرغوب موضوع ہے اس لئے میں ضرور لکھوں گا۔ وہ چلا گیا تو میں نے "سائبان شیشے کا" کی نظموں پر ایک نظر ڈالی اور پھر نظم "میری ماں" پڑھنے لگا۔ اس نظم میں ماں کے فراق میں گزرنے والی گھڑیوں کا جس انداز میں ذکر ہے اس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شاعرہ نے ماں اور خدا دونوں کو غیر فانی کہتے ہوئے نظم کا آغاز کرنے کے بعد خداوند کریم سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنی دعاؤں کی اثر نا آفرینی کا ذکر جس کرب کے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے بے حال کر کے رکھ دیا اور جب میں یہ پڑھ رہا تھا۔

ماں بلاتی تھی
خود نیچے آتا تھا تو
سارے بچوں کی بگڑی بناتا تھا تو
وہ دعاؤں کی ماں
تیرے گھر آ گئی
تیرے دیوار و در
میری چھت
میرا گھر
اب یہ کس کی دعاؤں سے محفوظ ہوں
اے دعا کے خدا!
خود مرے گھر میں آ
خود مرے گھر میں آ

تو میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ چکے تھے اور میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ اگر اس کیفیت میں مجھے کسی طالب علم یا ساتھی استاد نے دیکھ لیا تو جانے کیا سوچے۔ خدا جانے وہ کیا کیا قیاس آرائیاں کرے اور اس

Marfat.com

صورت حال کو کیا کیا معنی پہنائے۔ میں نے کتاب کو ایک طرف رکھ دیا اور اپنے آپ کو بہلانے کے لئے کچھ اور پڑھنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے اس کی کتاب "مجھے بولنے دو" اٹھائی اور اس کی نظم "بہنوں کے نام" پڑھنے لگا۔ اس نظم میں ایک بہن کا دکھ چھپا ہوا ہے۔ شاعرہ نے بھائی سے بہن کی محبت کو یک طرفہ قرار دیتے ہوئے دنیا بھر کی بہنوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ بھائیوں سے خود تو محبت کریں اور محبت کے تقاضے پورے کریں مگر ان سے محبت کی کوئی توقع وابستہ نہ کریں اور نہ ہی اس رشتے کے حوالے سے ان پر کوئی مان کریں کہ

یہاں بھائی کی فرقت میں
فقط بہنیں ہی روتی ہیں

بہن کی سچی اور گہری محبت اس ساری نظم میں رچی بسی ہے جس میں بہن کا کرب نمایاں ہے۔ نظم پڑھتے ہوئے جب میں اس کے اس اختتامیہ حصے پر پہنچا۔

مگر اماں نہ ہو تو
ساونوں میں بھائیوں کو کون بھیجے گا؟
نہ ہو بابل تو
کس کی ریت کو بھائی نبھائے گا؟
نہ میکہ گھر سلامت ہو
تو وہ بے لوث جذبے کون لائے گا؟
نہ یوں پچھلی گلی میں دیکھتی جاؤ
دریچے بند کر کے اپنے گھر میں لوٹ بھی آؤ
کہ شاید کل تمہاری بیٹیوں کو
چاہتوں کی ریت والے بھائی مل جائیں

تو پھر میری وہی کیفیت تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے کتاب ایک طرف رکھ دی، اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور خود کو مصروف کر دینے کی اپنی سی سعی کی مگر میں بدستور نظموں کی گرفت میں تھا۔

ایسے میں جنید اکرم میرے سامنے کھڑا تھا اور میں اسے کہہ رہا تھا "اگر میں نے بلقیس محمود کی نظمیں پڑھ لیں تو مضمون ضرور لکھوں گا۔ مجھ سے اس کی نظمیں پڑھی نہیں جا

Marfat.com

رہیں۔ یہ تو بے حال کر دیتی ہیں"۔

میں چند دنوں کے وقفے سے بلقیس محمود کی نظمیں پڑھنے لگا۔ "پپو کے نام" کی ابتدائی سطور ہی نے مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری کر دی۔ میرے سامنے ایک بہن کھڑی تھی جو اپنے بھائی کی جدائی میں بلک بلک کر کہہ رہی تھی ۔

میری دیوار پر
اب کبھی کوئی کوا نہیں بولتا
کوئی اس پیار سے
سن کے آہٹ
دریچہ نہیں کھولتا

اور پھر بھائی کے لئے محبت بھری دعائیں کر رہی تھی ۔

بھیا تیری حویلی سلامت رہے
تیرے گھر میں محبت بھری زندگی
ہنسی گاتی رہے
تا قیامت رہے

میری دیوار پر
اب کبھی کوئی کوا نہیں بولتا

میری آنکھیں نم آلود ہو گئیں اور مجھے تصور ہی تصور میں اس لمحے کے سائے نظر آنے لگے جب بھائی بہن سے کہہ رہا ہو گا "بہن! میں سلامت ہوں تو تیری دیوار پر کوا کیوں نہیں بولتا۔ تیری دیوار پر کوا بولے گا اور وہ تجھے میرا سندیسہ دے گا۔ میں تیری خاطر اپنے دریچے وا کروں گا۔ میں تیرے دروازے پر دستک دوں گا۔ تو اس کی آہٹ سن کر دروازہ کھولنا۔ میں عید بقر عید پر پہلے سے بھی زیادہ محبت بھرے فون کروں گا۔ اگر ماں باپ کے پیار کے راستے اب معدوم ہو چکے ہیں تو میرے راستے تو معدوم نہیں ہوئے —— تیری دیوار پر کوا ضرور بولے گا' اور پھر میں بھی آؤں گا —— " اور میں ایک عجیب جذباتی فضا میں گھر گیا۔

اسی کیفیت سے دوچار کرنے والی کئی دوسری نظموں میں سے گزرتا ہوا جب میں "انتظار عظیم" (میرے چاند) پر پہنچا تو ایک جدائی کی ماری ہوئی ماں کا چہرہ میرے سامنے تھا جو بیٹے کی جدائی میں تڑپ رہی تھی' جو اسے اپنی کشتی کا ناخدا قرار دے رہی تھی

Marfat.com

جس کی ممتا چیخ رہی تھی، جو اپنے دل کو طرح طرح سے دلاسے دے رہی تھی، اور اس کے لئے دعائیں کر رہی تھی، جو کہہ رہی تھی۔

اے میرے پیارے لعل
ساری سیپیاں لعل و گہر سے دور ہو کر
خالی خالی خول ہوتی ہیں
مجھے احساس ہے
کہ سیپیوں میں بند دانے
سیپیوں میں بند رہ کر
گوہر یکتا نہیں ہوتے
میں یہ بھی جانتی ہوں کہ
بدخشانی گہر
پردیس میں انمول ہوتے ہیں
تو میں اپنے لہو کے لال موتی
اپنی آنکھوں کی
مہذب سیپیوں میں بند رکھوں گی
اداسی کے تلاطم خیز دریا
دل سمندر میں چھپا لوں گی
مگر اک سانس کی ڈوری کہ جس میں
لمحہ لمحہ قادر مطلق سے میں
اک بھیک بن کر آس کے موتی پروتی ہوں
وہی تسبیح ہاتھوں میں لئے
میں گھر کے دروازے پہ
تیری منتظر ہوں گی

اور پھر میں بھی اس ماں کے جذبات کا ہم سفر بن گیا جو دعا دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔۔

تو اتنا نام ور ہو نام خوش قسمت لگے سب کو
ترے ہر کام میں ہر کام میں عظمت لگے سب کو

Marfat.com

تری ہستی سے روشن تر زمانے یوں ہویدا ہوں
مورخ اور مائیں سب تری عظمت پہ شیدا ہوں
سنہرے باب میں تحریر تیرے کارنامے ہوں
کہ ماؤں نے نئے بچوں کے تجھ پر نام رکھے ہوں

اور اس کے بعد نم آلود آنکھوں سے یہی دعا میرے اپنے بچوں کے لئے ٹپکنے لگی --- اور اس عجیب کیفیت میں یہی دعا ہر ماں کے' ہر باپ کے بچوں کے لئے میرے دل سے نکلنے لگی۔

بلقیس محمود کی نظمیں پڑھنے والے کو اس لئے جذباتی فضا میں لے جاتی اور جذبات کے اس سفر میں شریک کر لیتی ہیں کہ وہ اس کے دل سے نکلی ہیں اور جن رشتوں نے اس سے یہ نظمیں کہلوائی ہیں وہ ان کے ساتھ سراسر مخلص ہے اور غیر مشروط طور پر محبت کا تعلق قائم رکھے ہوئے ہے۔ جب محبت سچی اور بے غرض ہو اور انسانی رشتوں پر ایمان مضبوط ہو تو ایسی ہی نظمیں وجود میں آتی ہیں-----

میں "اداس لمحوں کا زہر" "امریکہ جانے سے سات گھنٹے پہلے"، "امریکہ بس کیا بجا ہے"" "کہتا ہے مرا لعل"" "میرے چاند" "محتسب"، "اتنے دن"، "ٹیلی فون"، "سورج> "اجنبی پرندہ"، "ویران گھر"؛ "بھائی بہنوں کے نام"" "امی کے لئے"، "اپنی بہن زرینہ کے لئے"، "میرے ابا جی"، "زرینہ مر گئی ہے"، "طاہرہ کے نام"، "منصور کے نام"، "امین کے نام"، "بھابی کے نام"، "چھوٹی بھابی کے نام"، "زہرہ کے نام"، "امین کے نام' میرا آخری خط"۔ "یا رب الناس"" "مرا بچھڑا ہوا بھائی"، اور دوسری کئی نظمیں پڑھتے ہوئے بھی اسی کیفیت سے دوچار ہوا' اسی کرب سے گزرا اور بارہا عالم تصور میں بلقیس محمود سے مخاطب ہوا "بہن! تو ساری زندگی کیسی نظمیں کہتی رہی جو تیرے رگ و پے سے یوں پھوٹ کر نکلیں کہ قاری کے رگ و پے میں بھی سرایت کرنے لگتی ہیں اور اسے اسی گہرے دکھ کی کیفیت سے دوچار کر دیتی ہیں جس نے ان نظموں کا روپ دھارا تھا"۔

بلقیس محمود کی شاعری سچے رشتوں سے سچی محبت کرنے والی بے غرض ہستی کی شاعری ہے جو دل سے نکلتی اور دل میں اترتی ہے----- یہی شاعری ہوتی ہے جو زوال آشنا نہیں ہوتی کہ جن جذبوں سے یہ جنم لیتی ہے وہ زوال آشنا نہیں ہوتے۔

Marfat.com

# ایک تاثر

شہزاد احمد

"مجھے بولنے دو" بلقیس محمود کا مجموعہ کلام ہے جو زیادہ تر نظموں پر مشتمل ہے۔ بہت سے انفرادی اور اجتماعی مسائل ان کی نظموں میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ حب الوطنی اور دردمندی ان کے خاص موضوعات ہیں جن کے اثرات تمام نظموں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں اس قدر روانی ہے کہ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ انہوں نے یہ نظمیں قلم برداشتہ کہی ہوں گی۔ یہ ایک تیز رو دھارا ہے جو ہر شے کو اپنے ساتھ بہائے لئے جا رہا ہے۔ اس کی اپنی سمت خود رو درخت کی طرح ہے جو کئی سمتوں میں پھیلا ہوا ہے مگر اس کے باوجود ایک مرکزیت کا حامل ہے۔ اظہار کی ایک شدید خواہش ہے جو ہر شے کے ساتھ قاری کو بھی بہا لے جاتی ہے۔

Marfat.com

# جرات اظہار اور آزادی فکر کی نقیب..... بلقیس محمود

ا/ محمود اختر

بلقیس محمود یا بلقیس میری شریک حیات تھیں۔ زندگی کے تیس (30) سال مجھے ان کی رفاقت میسر رہی۔ وہ میری عم زاد بھی تھیں۔ چنانچہ وہ جو شاعرہ بلکہ اچھی شاعرہ بننے کے لئے قطرے سے گہر بننے کا عمل ہوا کرتا ہے' وہ جو شعری حسن اور شعر کے فکری عمل کی پرکاری اور پختگی کا عمل ہے میں نے اس کی مختلف منزلیں دیکھی ہیں۔ میں یہاں ان کی شخصیت کے صرف ایک پہلو کا ذکر کروں گا۔

بلقیس محمود جرات اظہار اور آزادی فکر کی نقیب تھیں۔ یہ حریت فکر پہلے پہل تو آزادی کے حوالے سے منعکس ہوئی اور انہوں نے ان مضامین میں جو پہلے خالص مردانہ علاقہ سمجھے جاتے تھے اپنے منفرد نسوانی لہجے اور انداز فکر سے طبع آزمائی کی مثلاً اردو نعت میں جہاں نسوانی نقطہ نظر سے اس سے پہلے کسی نے نہ لکھا تھا ان کی نظم کی صورت میں نعت جو ان کی کتاب "مجھے بونے دو" میں شامل ہے قابل قدر اضافہ ہے۔ اس کے بعد ظاہر ہے مختلف شاعرات (مثلاً شمیم اکرام الحق) نے اس طرف توجہ دی لیکن ایک قابل قدر پہل انہوں نے ضرور کی۔ نسوانی حقوق کی پاسداری کے ضمن میں اس کتاب میں ان کی مختلف نظمیں ہیں مثلاً "قانون شہادت' برادران علوم و فن' لڑکیو وغیرہ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی زندگی کا اعلیٰ ترین لمحہ یا چرچل کی زبان میں Her Fivest hour مارشل لاء کا پر استبداد زمانہ تھا۔ پاکستان کے سیاسی منظر پر ہو کا عالم طاری تھا۔ آمریت اور جمہوریت کشی کے اس پر ہول زمانے میں جب اخبار نویسوں کو آزادی اظہار کے جرم میں قید و بند کی سزائیں ہوئیں۔ جب انسانی بے توقیری بے وقعتی اور تذلیل کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو A-Frame کی شکل کے فریم پر کس کر ننگی پیٹھوں پر کوڑے برسائے جاتے تھے جب ہمارے معاشرے میں حریت فکر کے تمام ادارے آمر کے سامنے سرنگوں ہو چکے تھے۔ اس بے کراں سناٹے میں بلقیس محمود کی آواز پاکستانی معاشرے کے خاموش احتجاج کی آواز بن کر ابھری۔ انہوں نے لٹنے کے احساس کو زندہ کیا۔ وہ کہانی کہہ رہی تھیں۔ آشوب حریت فکر کی کہانی آزادی اظہار کے سلب ہو جانے کی کہانی انہوں نے کہا۔

Marfat.com

سنائیں اس دیس کی کہانی
جہاں سبھی نے
سروں کے کاسے اکھیڑ کے
پھیپھڑوں کی نالی سے جڑ دیئے تھے
وہ اندھے گونگے سے اور بہرے سے
پھیپھڑے
سانس لے رہے تھے
کسی پہ بھی سرکشی کا کوئی گماں نہ تھا
وہ چل رہے تھے
وہ کھا رہے تھے
وہ جی رہے تھے
مگر تنفس کی بو میں
جلتے ہوئے لہو کی سڑاند تھی
انہوں نے یہ دعوت دی کہ ۔

آؤ قبروں سے کفن پوش نکل کر دیکھیں
کتنے بے آبرو لمحات ابھی زندہ ہیں

میں سرکاری ملازم تھا۔ اگرچہ زمانے بھر میں Guilt by Association نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی' لیکن وطن عزیز میں رسم ہی ایسی چل نکلی تھی۔ مارشل لاء کی چیرہ دستی کا بیگم صاحبہ کو پورا ادراک شاید نہ تھا۔ مارشل لاء والے عورتوں کو بھی بے دریغ گرفتار کرلیا کرتے تھے۔ میں نے انہیں اس قسم کی مزاحمتی شاعری سے منع کیا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ "ہم مہاجر لوگ ہیں غریب اور تہی دامن لوگ اگر ایک مہینے تنخواہ نہیں آئے گی تو کم از کم مجھے تو ملک میں برپا حشر بے معنی لگے گا اور اپنے گھر میں برپا محشر اور بھوک انتہائی بامعنی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہر طرف آگ سی لگی ہوئی ہے لیکن ابھی یہ گھر کے اندر نہیں آئی اسلئے گھر کے اندر نہ آنے دیں۔"

تب وہ کچھ رنجیدہ سی ہوگئیں جیسے میں ان کی نظروں سے گر گیا ہوں۔ اگلے ہی دن جب میں دفتر سے آیا تو ایک نظم تیار تھی اقتباس آپ کے رو برو پیش ہے' انہوں نے لکھا۔

Marfat.com

میں کاش ادراک وقت سے بے نیاز ہوتی
کہ آج اس دشت آرزو میں
جو ہر طرف اک دھواں دھواں سا سلگ رہا ہے
بساط کوہ و دمن میں شعلے
نشیب آب رواں میں شعلے
یہ تنگ گلیوں کشادہ چہروں کی
فکر طوق گراں میں شعلے
نحیف پیشانیوں پہ چسپاں
کھلی ہوئی چلمنوں میں شعلے
میں کاش ادراک وقت سے بے نیاز ہوتی
یہ میرا گھر ہے
میں اس کو فرعون وقت کا بیڑہ کیسے سمجھوں
کہ تیز طوفاں میں ڈوبنے دوں

میں بے بس ہو گیا۔ میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ میں نے پھر کبھی ان سے تعرض نہ کیا۔ اس کا انجام کیا ہوتا ہے مجھے اس کا خاصا علم اور اندازہ تھا۔ لاہور کے میرے ایک دوست وکیل تھے۔ ان کو گردے کی بیماری تھی اور سیاسی جدوجہد کا جنون۔ قید ہوئے تو بقول ان کے مہینوں جیل میں انہیں بالاہتمام گدلا پانی پینے کو دیا جاتا رہا۔ آخر وفات پائی اور درد گردہ کے مرض اور سیاسی جدوجہد کے جنون سے نجات پائی۔ ایسی مثالیں بکھری پڑی تھیں۔ میں نے انہیں سمجھایا تھا لیکن انہوں نے پروا نہ کی۔ ان کی اپنی ذات کو منفعت کے حوالے سے کوئی سیاسی خواہش' کوئی ملی یا سیاسی تمنا' کسی سیاسی عہدے کے لئے خواہش کچھ نہ تھی۔ بس صرف اظہار کی آزادی' فکر کی آزادی' اجتماع کی آزادی' انسانی ذات کی توقیر ان کو انتہائی عزیز تھی۔

حریت فکر' جو لوگ اس کے لئے آواز بلند کرتے اور جدوجہد کرتے تھے ان کو وہ عزیزہ رکھتی تھیں۔

ان کی شاعری کا بہترین دور ان کی انقلابی اور مزاحمتی شاعری سے وابستہ ہے۔ ظلم کہیں بھی ہوتا وہ اس کے خلاف سربکف قلم بدست جہاد میں مشغول ہو جاتیں وہ کشمیر ہو یا لبنان' صابرہ ہو یا شیلا انہوں نے ہمیشہ علم اٹھانے کی تلقین کی اور "ستم گروں کا

Marfat.com

نشاں مٹا دیں" کا نعرہ بلند کیا فلاح انسانیت کے دفتروں' اداروں (یعنی یو این) کی کارکردگی سے جہاں مظلوموں کی آوازیں ٹکرا ٹکرا کر دم توڑ دیتی ہیں ان سب کو وہ فضول جانتی تھیں۔ انہوں نے کہا۔

اے اندھے بہرے عظیم لوگو
یہ اپنے انسانیت کی خدمت کے نام لیوا عظیم لشکر
فلاح انسانیت کے دفتر
یہ اونچے ایوان بند کردو

وہ ایک مجاہدہ تھیں۔ انہوں نے قلم کی حرمت کو اظہار کی آزادی اور زندگی کی اعلیٰ قدروں کو عزیز رکھا۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ایک بہتر مستقبل کی تخلیق کے لئے گراں قدر کام کیا۔ شاعر اور ادیب تو ایک بہتر انسانی فکر اور اعلیٰ اقدار کے نمائندے ہوتے ہیں انہوں نے ایک باضمیر شاعرہ ہونے کا حق ادا کیا۔

انہوں نے جبر سے پاک معاشرے کی راہیں ہموار کیں اور اس کے لئے جدوجہد کی۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں۔ انہیں اپنی موت کا کافی عرصے پہلے علم ہو گیا تھا۔ ان کی صحت گر رہی تھی۔ میں اور ہمارے بچے ایک امید سے چمٹے ان کی زندگی کی دعا کرتے رہے۔ ایسے میں کبھی انہوں نے اپنے احباب کے لئے ایک شکریے کی نظم لکھی تھی جو مجھے ان کی وفات کے بعد ان کے پرس میں سے ملی۔ وہ نظم پیش خدمت ہے گویا وہ خود اپنی زبان سے اپنے احباب کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کہتی ہیں۔

پار کرنی تھی سرحد ادراک
چشم در چشم سیل آب آیا

شکریہ آپ کی محبت کا
میں جو رخصت ہوئی تو لگتا ہے

شہر کا شہر چھوڑنے آیا
ہاں محبت تھی میری کمزوری

Marfat.com

ہاں محبت تھا میرا سرمایا
ہونی شدنی کو کون روکے گا

وقت آنا تھا آخرش آیا
یہ جنازہ نہیں محبت ہے

درد فرقت نے سب کو تڑپایا

Marfat.com

# بلقیس محمود ایک بہن ----- ایک شاعرہ

شمیم اختر

بلقیس نے نظم اور نثر میں بہت کچھ لکھا۔ "مجھے بولنے دو" میں اس کی زندگی کے صرف ایک خاص دور کی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں یہ کتاب اس کی تمام زندگی کے فکر و فن کی عکاسی نہیں کرتی۔ اسلام آباد کے ادبی حلقے ایک خاص حد تک یہ بات جانتے ہیں۔ اس کے شعری مجموعے سائبان شیشے کا' میرے چاند' ستاروں پر کمند آج کل چھپنے کے مختلف مراحل میں ہیں جبکہ نثری کتاب "اللہ پاکستان لے چل" بھی شائع ہو چکی ہے۔ یہ تمام کتابیں اس کی زندگی میں شائع کیوں نہ ہو سکیں؟ اس کی بیماری اور چند بہت معمولی سی وجوہات کی بناء پر ایسا نہ ہو سکا۔ شاید اس لئے بھی کہ اسے مشہور ہونے یا اگلی صفوں میں بیٹھنے کا شوق نہ تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ایک خاص طرح کی بے نیازی آ گئی تھی۔ وگرنہ اس کے ہم عصر لوگ جانتے ہیں کہ وہ ایک زبردست مقررہ' ایک اعلیٰ پائے کی گفتگو کرنے والی اور ایک خوبصورت اور منفرد انداز والی شاعرہ تھیں پاکستان کی محبت' انسانی رشتوں کی پہچان' خواتین کے مسائل اور محبت اس کے پسندیدہ موضوعات تھے۔ وہ نعرے بازی سے زیادہ Committment کی قائل تھی۔ شائد اسی لئے ممتاز مفتی صاحب نے کہا تھا "اسلام آباد میں ایک بہت بڑی شاعرہ رہتی ہے۔ "بلقیس محمود" نظم کی شاعرہ ہے۔ میں بلقیس کا مداح ہوں۔ وہ ہمیشہ منفرد موضوعات پر لکھتی ہے" قاسمی صاحب نے بھی اس کی بظاہر طویل خاموشی کے بارے میں لکھا ہے۔

"اتنی اہم شاعرہ نے اس تمام عرصے میں عملاً گوشہ نشینی رہ کر بڑی زیادتی کی ہے"

گوشہ نشین تو وہ تھی لیکن اس طرح رہ کر بھی اس نے بہت کچھ لکھا۔ یہاں نہ جانے کیوں مجھے ساحر کے یہ اشعار یاد آ رہے ہیں ۔

ان گنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے ان کے
لیکن ان کے لئے تشہیر کا سامان نہیں
کیوں کہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مفلس تھے

Marfat.com

(میری گزارش ہے کہ لفظ تشہیر کو ذرا مختلف معنوں میں لیا جائے۔)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض دفعہ پہلا مجموعہ کلام چھپنے سے پہلے لوگ اتنا کچھ لکھ چکے ہوتے ہیں کہ وہ ہر لحاظ سے تسلیم کئے جانے کے قابل ہوتے ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ امجد اسلام امجد کا پہلا شعری مجموعہ "برزخ" ابھی نہیں آیا تھا ہم لوگ اس کی نظموں کو پڑھ کر لطف لیا کرتے تھے لیکن ایک مکمل شاعر ہونے کے باوجود وہ صاحب کتاب نہ تھا اور چنانچہ سرکاری طور پر شاعر نہ سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہ ایسے بہت سے لوگوں سے آگے تھا جن کے کئی مجموعے بازار میں آ چکے تھے۔

پچھلے چند برسوں سے بلقیس بیمار رہتی تھی۔ جنوری 95ء میں اسے اچانک پتہ چلا کہ اسے کینسر ہے۔ اس نے بہت پریشانی کے عالم میں مجھے فون کیا۔ میں نے کہا فوراً" لاہور چلی آؤ۔ کراچی سے ہمارا بھائی امین انجم بھی آ گیا۔ مشورے ہوئے اور چند دنوں میں وہ آپریشن کروا کے واپس اسلام آباد بھی آ گئی۔ کینسر سے وہ مردانہ وار لڑی۔ بظاہر وہ بالکل ٹھیک ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں کا یہ ہی خیال تھا۔ لیکن اس نے مجھے ایک خط میں لکھا:۔

"اب جبکہ ڈاکٹروں نے ماشا اللہ باقاعدہ طور پر کہہ دیا ہے کہ کوئی بیماری نہیں ہے اور یہ کہ اب آپ اپنے اندر طاقت بحال کر لیں---- خوش رہیں---- سب کچھ اچھا ہے۔ لیکن وقت نے اور زمانے کی باتوں نے جو وسوسہ میرے اندر رکھ دیا ہے اس سے نجات نہیں ملتی"۔

ایک اور جگہ اس نے لکھا۔

"وہ جسے چاہے زندگی دے اور جسے چاہے ---

اس سے اگلی سچائی کو دہراتے ہوئے بھی دہشت ہوتی ہے۔

بلقیس کی مجھ سے بہت دوستی تھی۔

ایک خط میں اس نے مجھے لکھا

"میرا جی بہت چاہتا ہے کہ تم مجھے خط لکھو۔ فقط تم ہی تو ہو اس بھری دنیا میں جو کبھی کبھار مجھے خط لکھتے ہو تو اس طرح لکھتے ہو کہ میں زمانے بھر کو وہ خط دکھا دکھا کر فخر کرتی ہوں۔ میں کیا کروں۔ کس سے Share کروں:

تمہارے خط مجھے میری ہم عمری نہ سہی، ہم عصریت بلکہ ذہنی ہم عمری کا احساس دیتے ہیں۔ مجھے یہ زعم ہے کہ میں اور تم ایک دوسرے کے بہت قریب اور بہت شناسا

Marfat.com

ہیں۔ ایک دوسرے کے باطن سے۔ اور لوگ نہ بولیں مجھے اتنا گلہ نہیں ہوتا۔ لیکن تمہاری خموشی برداشت نہیں ہوتی۔ ضرور لکھو۔ ضرور بولو۔ فون پر ہی سہی"۔

زندگی کا ایک موڑ ایسا بھی آیا جہاں وہ میرے بارے میں پریشان رہنے لگی۔ اس نے میرے ہی بارے میں مجھے لکھا۔

میں پاگل ہو کے
اس چہرے کے اندر جھانکتی ہوں
جسے میں نے
بہاروں
چاند تاروں کے
دھنک رنگت نظاروں میں
ہزاروں بار دیکھا تھا
بہاریں
روشنی
موسیقیت
زندہ لطافت
قہقہے
رنگ آفرینی
سب تمہارے نام سے منسوب لگتے تھے
مگر اب وہ
تمہارا زندگی پرور سراپا
خود اپنے تلخ
بے رونق
بجھے چہرے کے اندر چھپ گیا ہے

اسی طرح ایک دفعہ اس نے مجھے لکھا۔

"محبت کی سچائی اور اس کی روحانی طاقت کے جو لوگ قائل نہ ہوتے تھے میری تمہارے لئے تڑپ اور اس کی تاثیر کو دیکھ کر وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اللہ کا شکر ہے میں تمہاری سگی بہن ہوں ورنہ بات فتووں کی حد تک چلی جاتی"۔

Marfat.com

اپنے خیالات کا اظہار وہ اپنے بھائیوں امین عجم، منصور اور میرے نام اپنی نظموں میں اکثر کرتی رہتی تھی۔ ایک دفعہ عید کے موقع پر اس نے میرے نام ایک خط میں لکھا۔

میرے بھائی تو مجھے عید بلاوا لکھنا
دیکھنے کی مجھے ملنے کی تمنا لکھنا
مجھے لکھنا کہ نہیں لگتا یہ جی تیرے بغیر
تیرا چہرہ ہے مجھے ماں کا ہی چہرہ لکھنا
جگمگاہٹ ہے نئے رشتوں کی گو آنگن میں
پچھلے لوگوں کو ہے دل پھر بھی ترستا لکھنا
کوئی نادان نہیں لاکھ بہانے ہوں گے
آ نہ پاؤں گی مگر تم تو تقاضا لکھنا
مجھے لکھنا کہ سبھی لوگ ترستے ہیں تجھے
تو جو آئے تو خوشی چاند سے دونی ہو گی
تو نہیں ہے تو بھرا گھر ہے یہ سونا سونا
تو نہ آئی تو میری عید بھی سونی ہو گی
ریت کا پریت کا رشتہ ہے یہ بہنوں والا
ڈولی بھجواؤں یا بھیجوں میں کرایہ لکھنا
لکھنا چھٹی نہیں دیتے مجھے دفتر والے
ورنہ ممکن نہ تھا سن کے مرا رکنا لکھنا
اتنی فرصت نہ اگر ہو کہ یہ سب کچھ لکھو
ڈاک کا فون کے کٹنے کا بہانہ لکھنا
میرے بھائی تو مجھے عید بلاوا لکھنا

میں عرض کر رہا تھا کہ پچھلے چند سالوں سے اپنی بیماری کے بارے میں وہ کافی متفکر اور CONSCIOUS رہنے لگی تھی۔ لیکن وہ زندہ رہنا چاہتی تھی اور موت سے آخری وقت تک لڑتی رہی۔ کینسر کے بعد اس کا وزن بڑھنا شروع ہو گیا تو اس نے مجھے لکھا۔

وزن بڑھتا ہی جاتا ہے

Marfat.com

پریشاں ہوں
کہ ایسے میں
اچانک غیر لمحہ آ گیا
تو کیا کروں گی میں؟
لپک کر اٹھ کے بستر سے
کھڑی بھی ہو نہ پاؤں گی
میں اپنے پیارے رشتوں کے
تھکے ہارے ہوئے کندھوں
پہ اتنا بوجھ بن کر
اپنی بے بس لاش سے بھی
روٹھ جاؤں گی
خدایا کاش
یہ وزنی بدن
بے وزن ہو کر
محبت آشنا کندھوں پہ
کوئی بار نہ ٹھہرے

کینسر سے نبرد آزمائی میں تو وہ جیت گئی لیکن اس کے بیٹے تاشفین کی چار سال کی دوری کا غم بھی کینسر ہی کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہا' موت سے دو گھنٹے پہلے پولی کلینک کے آئی سی یو میں وہ اسی کو یاد کر رہی تھی۔

اپنی بیماری کے دنوں میں اس نے لکھا۔

"رفتہ رفتہ میں نے اپنی حساسیت سے اپنے وجود میں دنیا بھر کے ...... گھر سے لیکر زمانے کی آج کل پرسوں تک کے غم کے اتنے بیج بو لئے کہ آخر کار پک پکا کر بیماریوں کی پوری فصل کھڑی ہو گئی۔ حالانکہ زندگی بھر باہر کی دنیا میں ایک مدت تک ہنسی' شوخی' رونق اور خوش گفتاری میرا حوالہ بنی رہی۔ میری پہچان رہی' ہر محفل کو ہنسایا' ہر ماحول کو زندہ کیا ...... اور آخر خود مر گئی"۔

ممتاز مفتی جی کی وفات پر اس نے مجھے خط میں ایک نظم لکھ کر بھیجی۔

Marfat.com

گئے ممتاز مفتی جی
ازل سے تاابد پھیلی کہانی
رو پڑی ہے
کہانی کو بھلا میں کیسے سمجھاؤں
یہاں ہر اک کہانی ٹوٹ جاتی ہے
یہاں ہر ایک زندہ زندگی میں
موت حائل ہے
یہاں کوئی بھی زندہ آدمی
زندہ نہیں رہتا
سبھی پھولوں کی خوشبو
زندہ رنگوں کی دھنک
ہر کل میں بس جانے کی
زندہ آرزو
ساری وفائیں
بیکراں انمٹ محبت
سب کے رستے میں
ہمیشہ موت آتی ہے
ہمیشہ ہر کہانی نامکمل ہے
کہانی کو بھلا میں کیسے سمجھاؤں
قلم میں لامکاں کی آرزو
نوے یا نو سو سال
آخر ٹوٹ جاتی ہے
قلم کا معجزہ لیکن
وجود لوح پر محفوظ رہتا ہے
یہی لوح و قلم رب محبت نے
محبت کو دیئے ہیں
محبت ایک لافانی حقیقت

Marfat.com

ہر کہانی کا امر محور
محبت زندہ رہنا چاہتی ہے
مگر لبیک سے کس کو مفر ہے
کہانی رو پڑی ہے
(گئے ممتاز مفتی جی)
لغت داناٸیوں کی
بے بصارت ہو گئی ہے
تدبر بے بصیرت ہو گیا ہے
سخاوت مند معنی کھو گئے ہیں
سرشت رہنمائی لٹ گئی ہے
سخن سے پند و ناصح چھن گئے ہیں
ہوا روپوش افسانہ ردائے ماتمی میں
فقط نوحہ سواد غم سے باہر آ گیا ہے
گئے ممتاز مفتی جی

اس نظم کے ساتھ ایک خط بھی تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

میں کوئٹہ کالج میں پڑھاتی تھی اور گھر لوٹ آنے کے لئے ادھر ٹرانسفر کی بے حد کوشش کے بعد آخر چند دنوں میں احکامات کی منتظر...... انہی دنوں میں دوست پرنسپل ڈاکٹر کنیز یوسف کی ادھر ٹرانسفر کے احکام آ گئے۔ اور وہ ساری لیکچررز جو انہیں میری طرح پسند کرتی تھیں ان کے گرد دائرے کی صورت میں بیٹھی زار و قطار رو رہی تھیں ...... میں ہنس رہی تھی ...... نہیں بلکہ مسکرا رہی تھی۔ میرے چہرے پر ایک فاتحانہ شوخی بھی تھی۔ ڈاکٹر یوسف نے میری شوخ مسکراہٹ کو محسوس کر کے کہا "اس کو دیکھو یہ کتنی خوش ہے"۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب بات یہ ہے کہ میں اس لئے خوش ہوں کہ ابھی جب دو چار دن میں مجھے بھی یہ جگہ چھوڑ کر جانا ہے تو یہ احساس نہیں ہو گا کہ ایک اچھی ہستی کو وہاں چھوڑ آئی ہوں۔ جہاں آج آپ جا رہی ہیں مجھے بھی تو کچھ دنوں میں ادھر ہی جانا ہے۔ وہ ہنس دیں کہ بڑی شرارتی

Marfat.com

ہے۔

مفتی جی جس دنیا میں چلے گئے ہیں ان کے جانے کا دکھ اگرچہ وقتی طور پر بہت دکھی کرنے والا ہے کہ ان کی ہستی میں مجھے ماں اور باپ اکٹھے محسوس ہوتے تھے آواز بالکل میری ماں کی طرح اسی اپنائیت اور اسی لہجے والی ----- اور محبت اور شفقت میں باپ کا سا سایہ اور ماں کی سی مٹھاس۔

اور اب جب مفتی جی بھی چلے گئے تو تیسرے دن ہی نہ جانے کیوں (یہ نہ جانے کیوں محض اضافی ہے کیونکہ میں جانتی بھی ہوں کہ کیوں) ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ تو نہیں البتہ صبر کے ساتھ ..... وہ ہی ڈاکٹر یوسف کی ٹرانسفر والا خیال دل میں ہے لگتا ہے مفتی جی کی بھی ویسی ہی ٹرانسفر ہو گئی ہے"۔

یہ تھی بلقیس میری بہن بلقیس۔ بلقیس محمود مر گئی ہے مجھے اب بھی اس کے خط کا انتظار رہتا ہے یوں لگتا ہے کہ وہ اب بھی ہم سب سے کہہ رہی ہے

محبتوں سے ہمیشہ ملا کرو لوگو
بچھڑنے والوں کے حق میں دعا کرو لوگو

Marfat.com

# مجھے بولنے دو

امجد اسلام امجد

بہت سے اچھے شاعر محض اس لئے اپنے جائز مقام و مرتبے اور شہرت و مقبولیت سے محروم رہتے ہیں کہ ان کا کلام شعری مجموعے کی شکل میں وقت پر شائع نہیں ہوتا۔ بلقیس محمود کا شمار بھی اسی رویے کے گزیدگان میں ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان کی شاعری کتابی صورت میں بیس پچیس برس قبل شائع ہو چکی ہوتی تو آج بلقیس محمود اہل سخن کے ساتھ ساتھ قارئین کے ایک وسیع تر حلقے میں بھی مقبول ہوتیں اور اب تک ان کے کئی ایک مجموعے شائع ہو چکے ہوتے۔

بلقیس محمود کے موضوعات' تنوع کے اعتبار سے ہم عصر ادب میں ایک خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگرچہ ان میں سے کئی ایک ہنگامی نوعیت کے ہیں۔ کچھ کی بنیاد روز مرہ کے واقعات اور کچھ کا تعلق شاعرہ کی ذاتی زندگی اور اہل خانہ سے ہے اور یوں ان کا رشتہ مولانا ظفر علی خان' شورش کاشمیری اور رئیس امروہوی کی صحافیانہ شاعری سے بھی بنتا ہے لیکن وہ خبر کو محض وزن اور بحر کے پیمانے میں بند نہیں کرتیں بلکہ اس میں ایسے ایسے انوکھے شعری اوصاف پیدا کرتی ہیں کہ ان کی بظاہر بیانیہ نوعیت کی ایک سطحی شاعری میں بھی پہلو داری پیدا ہو جاتی ہے۔

موضوع کا تعلق خارج سے ہو یا باطن سے' بلقیس محمود کی دردمندی اور انوالومنٹ عمومیت میں خصوصیت کا رنگ پیدا کرتی چلی جاتی ہیں وہ سہل ممتنع کے انداز میں کسی موضوع کی مختلف پرتیں کھولتی چلی جاتی ہیں اور ان کی نظمیں قاری کے دل و دماغ پر ایک گہرا اور انمٹ اثر چھوڑتی ہیں۔

ایسی بناوٹ سے پاک' مخلصانہ اور "از دل خیزد بردل ریزد" قسم کی شاعری اب کم کم نظر آتی ہے اور بلقیس محمود مبارکباد کی مستحق ہیں کہ انہوں نے اس خوبصورت روایت کو نہ صرف زندہ رکھا ہے بلکہ نہایت کامیابی سے آگے بھی بڑھایا ہے۔

Marfat.com

# بلقیس محمود کے لئے اپنے آپ سے تعزیت

ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

جن دنوں میں راولپنڈی میں تھا تو ادبی محفلوں میں جایا ضرور کرتا تھا۔ آگے آگے تو میں کبھی نہیں رہا تب بہت پیچھے پیچھے تھا۔ وہاں ایک اچھی خاتون کبھی کبھی کم کم نظر آتی تھیں۔ ایک محتاط قسم کی اپنائیت ان کے چاروں طرف مسکراتی۔ بزرگ ہونے کا ایک دلکش تاثر ہمیشہ ان کے سراپے کی حفاظت کیا کرتا۔ وہ ہمیشہ بڑی بہنوں جیسی لگتی تھیں۔ یہ تو مجھے برادرم جنید اکرم نے بتایا کہ وہ منصور سہیل کی بڑی بہن تھیں۔ میں نے سوچا کہ اس منصور سہیل کا ذکر باجی بلقیس نے دیباچے میں بڑی محبت سے کیا ہے مگر منصور سہیل تو ایڈیشنل سیکرٹری انفارمیشن ہے۔ دوستوں جیسا رویہ اس افسر کا ہے۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ یہ شخص نرا بیوروکریٹ نہیں ہو سکتا۔ طارق محمود کو اپنے ساتھ اپنے جیسے لوگ کام کرنے والے مل جاتے ہیں۔ اس نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اب وہ سیکرٹری انفارمیشن ہے تو سوچتا ہے بلکہ سوچنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ کہانیاں میں نے کب اور کیسے لکھ لیں۔ طارق محمود کے پاس جو وقت بچتا ہے کام شام کرنے میں گزر جاتا ہے۔ ورنہ وہ آج بھی بہت اچھے افسانے لکھنے پر قادر ہے۔ منصور سہیل کا ذکر جنید اکرم بہت کرتا ہے۔ منصور سیدھے سادے رویوں کا آدمی ہے۔ دو ایک محفلوں میں اس کی دلچسپیاں دیکھیں۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص بلقیس محمود کا چھوٹا بھائی ہے۔ اس کا مزاج ایسا ہے کہ وہ ان کا بڑا بھائی ہوتا تو بھی چھوٹا بھائی لگتا۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی کسی طرح کی بڑائی کو چھپائے رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ کچھ خواتین ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی خواہ مخواہ عزت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ہمارے یہاں خواتین کو بھابی کہنے کا رواج ہے مگر بلقیس محمود کے لئے باجی کا لفظ ہی زبان پر آتا تھا۔ منصور سہیل نے کہا کہ وہ ماؤں جیسی بہن تھیں۔ پنجاب کے کلچر میں رشتوں کے معاملے میں جذباتی کشادگی پائی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں عورت کے اندر مامتا موجود ہوتی ہے۔ یہ جذبہ بیٹی کے دل میں بھی تڑپتا ہے۔ محبت ہی محبت۔ ماں اور بڑی بہن کی محبت ایک دوسرے سے مشابہ ہوتی ہیں۔ ہمارا خاندانی نظام ابھی بدنظمی کا شکار نہیں ہوا۔ یہاں بڑا بھائی باپ اور بڑی بہن ماں کی جگہ فوراً سنبھال لیتی ہے۔ اس

Marfat.com

طرح کی نظم ماں کا سا دل رکھنے والی بہن ہی کہہ سکتی ہے ۔

مجھے بس اتنا سا وقت دے
کہ گلوں پہ رنگ بہار دیکھوں
وہ جشن دیکھوں کہ ثمر در ثمر رت جگے ہوں
مزاج احباب یاسیت سے نجات پائے
لبوں پہ حرف دعا نہ آئے

یہی دعا ہے وہ زمانہ کب آئے گا جب کوئی دکھ نہ ہو گا اور کسی کو دعا کرنے کی حاجت محسوس نہ ہو گی۔ اس سے زیادہ اچھے زمانے کا تصور بھی ممکن نہیں۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بہن کے لبوں پہ دعا نہ آئے۔ نظم کی آخری لائن دعائیہ ہے۔ "یہی دعا ہے"۔ بلقیس ایک خوبصورت دل و دماغ والی ادیبہ اور شاعرہ تھیں۔ پاکستان کو ایک گھر کی طرح دیکھنا چاہتی تھیں۔ ایسا گھر جس میں بلقیس جیسی خاتون ہو۔

ایک اچھی خاتون جہاں کھڑی ہو جائے وہاں گھر بن جاتا ہے اور گھر تو جنت کا نمونہ ہوتا ہے۔ پاکستان ہمارا گھر ہی تو ہے۔ تو ہم نے اس گھر کا کیا حال کیا ہے۔ بس یہ ایک بات بلقیس محمود کو پریشان رکھتی تھی۔ وہ اپنی پریشانیوں کو اس طرح ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ وہ پریشانیاں نہ لگیں۔ سو انہوں نے شعر و ادب کا پیرایہ اختیار کیا۔ ایک ایسی خاتون کا چپ رہنا ان کی شخصیت کا اسلوب تھا۔ مگر انہوں نے اپنے شعری مجموعے کا نام "مجھے بولنے دو" رکھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ مظلوم اور محروم لوگوں کو بولنے دو۔ عورتوں کو بولنے دو۔ آدمی کو بولنے دو۔ پھر جذبوں کو وہ معانی ملیں گے جن کی تلاش میں انسانیت کیسی کیسی اذیت سہہ رہی ہے۔ نظم "مجھے بولنے دو" کی آخری لائن آدمی کی سرفرازیوں کی امید اور سرشاریوں کی آرزو سے بھری ہوئی ہے۔ محترمہ بلقیس محمود کی نظموں کی آخری لائن میں ایسی روشنی ہوتی ہے جو ابتدائی سطروں کو بھی جگمگا دیتی ہے۔ "مجھے بولنے دو" کی آخری لائن۔ ع

مجھے بولنے دو
سنا ہے کبھی آدمی کے لبوں سے خدا بولتا ہے

وہ ادبی ماحول کو ایک خاندان کا رکھ رکھاؤ دینا چاہتی تھیں۔ ان کے ہونے سے اپنائیت اور احترام کا غبار صورت حال کو نور سے بھر دیتا تھا۔ میں سوچتا ہوں کہ ایسی اچھی عورتیں شعر و ادب کے علاقے میں ذرا زیادہ ہوں تو یہ ایک باوقار زمانے کی ضمانت

Marfat.com

ہو۔ ممتاز مفتی جیسے بڑے ادیب نے بے تکلفانہ کہا کہ "اسلام آباد میں ایک بہت بڑی شاعرہ رہتی ہے۔ بلقیس محمود۔ میں اس کا مداح ہوں۔ وہ ہمیشہ منفرد موضوعات پر لکھتی ہے۔"

یہ زندہ جملے ان کی آخری کتاب "تلاش" میں بالکل سامنے موجود ہیں۔ ان کی اس کتاب میں ایسی زور دار باتیں اور گمشدہ چیزیں ڈھونڈنی نہیں پڑتیں۔ ان کی کتاب پڑھنے والا بس خود کہیں گم ہو جاتا ہے۔ یہی تلاش کا انتہائی مقام ہے۔ بلقیس محمود نے کہا "مجھے بولنے دو" اور خود چپ ہو گئیں۔ احمد ندیم قاسمی نے دیباچے میں لکھا ہے کہ "اتنی اہم شاعرہ نے اس تمام عرصے میں عملاً گوشہ نشین رہ کر بڑی زیادتی کی ہے۔" میرے خیال میں یہ زیادتی نہیں بلکہ ایک بلند مقام اور احترام بلقیس محمود کے لئے ہمارے دل میں ایک آہستہ خرام ندی کی طرح بہنے لگتا ہے تو یہ ان کی طبیعت کی درویشی اور دل کی سلامتی کی وجہ سے تھا۔ ورنہ ہماری شاعری کی نسائی تاریخ میں زور لگا لگا کر آپے سے باہر ہونے والی عورتوں کا جو حال ہوا ہے اس نے سارے ماحول کو بے توقیر کیا ہے۔ بلقیس محمود کو خدا اجر دے کہ انہوں نے فنکار عورتوں کے لئے ایک عزت مندانہ منظر تخلیق کیا ہے اور لوگوں کو مائل کیا' قائل کیا کہ وہ عزت و احترام کی کیفیت نگاہوں میں پیدا کریں۔ ہماری ادبی تاریخ بلقیس محمود کو اپنائیت کے ہرے بھرے احساس کے ساتھ یاد رکھے گی۔ بلقیس محمود نے اپنے شوہر کی ریٹائرمنٹ پر ایک خوبصورت نظم کہی ہے۔ ایک گداز بھرے لہجے کا انہوں نے جس محبت بھری مسرت سے استقبال کیا ہے' ایک عجیب و غریب لطف آیا ہے۔ میرے دوست چودھری محمد اقبال جب اپنے پچھلے دور میں وزیر نہ رہے تو میں مبارکباد دینے ان کے گھر پہنچ گیا۔ انہوں نے اس صورت حال کو خوب انجوائے کیا۔ ریٹائر ہونے کا تھوڑا بہت ملال ایک روحانی آسودگی میں گھلتا چلا جاتا ہے۔ جیسے کسی کو بہت پرانی کوئی گم شدہ شے مل جائے۔ اس طرح کا تاثر رفیق حیات کی طرف سے ملے تو لوگ خوشی خوشی وقت سے پہلے ہی ریٹائر ہو جایا کریں۔ یہ ایک ایسی نظم ہے جو صرف بلقیس محمود جیسی شاعرہ ہی لکھ سکتی ہے۔ اس شاہکار تخلیق پر محمود صاحب کو ایک نئی زندگی کے آغاز جیسی ابدیت کا احساس ہوا ہو گا۔ اب جبکہ بلقیس محمود نے زندگی سے ہی ریٹائرمنٹ لے لی ہے تو کون ان جیسی باکمال نظم لکھے گا؟ ان سے ملاقات کم کم رہی مگر رابطے اور روابط ملاقاتوں کے محتاج نہیں ہوتے۔ ایسے شخص کے مرنے پر آدمی یہ تو سوچتا ہے کہ کسی سے تعزیت کرے۔

Marfat.com

میری زندگی میں ایسے مواقع کئی بار آئے ہیں۔ میں اپنے آپ سے تعزیت کرتا ہوں۔ میں نے پروین شاکر کے لئے بھی یہی کہا تھا۔ میری مشکل جنید اکرم نے آسان کر دی۔ میں نے منصور سہیل سے تعزیت کی اور یہ بھی چاہا کہ وہ بھی میرے ساتھ تعزیت کرے۔

Marfat.com

# بلقیس محمود کاری برتھ (Re-Birth)

پروفیسر احمد عقیل روبی

بلقیس محمود کی شعری تخلیق "مجھے بولنے دو" بلقیس محمود کا Re-Birth ہے۔ ڈھائی ٹوکری مٹی سے بنی شاعرہ نے یہ کتاب لکھ کر اپنے وجود کو سونے جیسا کھرا اور قیمتی بنا لیا ہے۔ جو خود تو مٹی میں مل کر مٹی کا حصہ بن گئی ہے لیکن بولنے کا اذن حاصل کر کے وہ قارئین سے یوں ہمکلام ہوئی کہ قارئین محو حیرت ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ انسانی مشاہدات سے مالا مال یہ شاعرہ اتنا عرصہ خاموش کیوں رہی۔ آج بلقیس محمود ہم میں موجود نہیں لیکن اس کی جاندار نظمیں در سماعت پر بار بار دستک دے کر اپنی فکری توانائی اور معنوی اور اسلوبیاتی تاثر کی سند پیش کر رہی ہیں۔

عصر حاضر کی بہت سی شاعرات ابتدائی جذباتی اور رومانی حادثات کے رد عمل کی شاعری میں الجھی ہوئی ہیں۔ یا تو وہ مرد کے ہرجائی پن کا زخم دامن پر سجا کر محفل محفل فریاد کناں دکھائی دیتی ہیں اور ہاتھ جوڑ کر اہل محفل سے کہتی ہیں کہ میں تو بھول گئی تم دھوکہ نہ کھانا' یا وہ مرد کے اس ہرجائی پن سے لطف اندوز ہوتی دکھائی دیتی ہیں اور برسوں پہلے دبستان لکھنؤ کے شعراء' کی ہم خیال نظر آتی ہیں کہ محبوب جہاں بھی رہے جس کے پاس رہے' ہے تو ہمارا۔ بلقیس محمود کی نظموں میں یہ سب کچھ نظر نہیں آتا۔ "مجھے بولنے دو" کی بیشتر نظمیں ایک ایسی عورت کے جذبات کا اظہار ہیں جو بظاہر ترقی یافتہ دنیامیں سانس لے رہی ہے' اسے سائنسی دور کی تمام مراعات حاصل ہیں مگر اس کے اندر برسوں پرانی عورت سسک رہی ہے۔ ایسی عورت جو روایتی رشتوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ جو پڑھ لکھ کر بھی ورڈز ورتھ کے ان معصوم اور فطری کرداروں کی طرح ہے جو زندگی کے نور میں ڈھلے ہوئے ہیں اور عہد جدید کی بناوٹی زندگی کے خلاف احتجاج کرتے نظر آتے ہیں۔ بے زبان معاشرے میں ان کی زبان کچھ کہنا چاہتی ہے۔ ان کے اردگرد بے نور آنکھوں کا اک ہجوم ہے اور وہ اپنی آنکھ سے جو دیکھتے ہیں دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ تمام نظمیں ان مناظر کی تصویریں ہیں جنہیں بلقیس محمود نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا اور اب وہ لوگوں کو دکھا رہی ہے۔

بلقیس محمود کی شاعری کا گراف بتدریج انسانی رشتوں کی طرف بڑھتا نظر آتا

Marfat.com

ہے۔ یہ گراف ذات سے ابھرتا ہے اور اجتماعیت میں جا کر اپنے پر پھیلاتا ہے اور پھر ان پروں کی چھاؤں میں ازل سے ابد تک کے جذبات کی کونپلیں کھلتی دکھائی دیتی ہیں۔ جذبات کی یہ گرہیں کھلتی ہیں تو بھائی بہن' ماں باپ' اولاد' شوہر' گھر' شہر ملک اور Global Village کے مناظر آنکھوں کے سامنے تھرکنے لگتے ہیں۔ روسو نے کہیں کہا تھا کہ جب میں آنکھیں بند کر کے بیٹھتا ہوں تو ازل سے ابد تک کے سارے مناظر میرے سامنے ناچنے لگتے ہیں۔ رسوم و رواج' رشتے ناطے' سماجی سرگرمیاں۔ میں نے بلقیس کی کچھ نظمیں پڑھیں تو مجھے ایسا ہی لگا۔ اپنے بھائی شمیم اختر (پپو) کے نام اس مجموعے میں دو نظمیں ہیں۔ ان دونوں نظموں میں ازل سے رواں دواں بھائی بہن کے رشتے کا وہ کرب موجود ہے جو بلقیس نے وارفتگی کے ساتھ ابلاغ کے بے حد آسان اسلوب بیان کر دیا ہے جس میں زبان کی کوئی رکاوٹ فکر کا راستہ نہیں روکتی۔ "پپو کے نام" عنوان کی نظم میں بہن کا کردار وہی ہے جو زمانہ قدیم میں ڈولی میں سوار ہو کر اپنے گھر چلی جاتی تھی اور پھر فاصلے اور دوریاں اسے بابل کے گھر سے کاٹ کر رکھ دیتی تھیں اور وہ ہر روز دیوار پر بیٹھے کوے کے ہاتھ اپنے بھائی کو سندیسہ بھیجتی تھی اور بھائی فاصلوں کی گرد میں کھڑا مجبوریوں کے آنسو بہاتا تھا۔ آج زمانہ بدل گیا ہے۔ فاصلے اور دوریاں ایک پل میں ختم ہو جاتی ہیں لیکن مجبوریوں کی دھند اب بھی قائم ہے جس میں بیسویں صدی کا بھائی کھڑا آنسو بہا رہا ہے۔ یہ نظم بھائی کے لئے بہن کی محبت کی بہترین مثال ہے۔ یہ نظم پڑھ کر قاری سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جدید ترین علوم پڑھ کر بھی انسان پرانا ہی ہے عورت ساری سہولتیں حاصل کر کے اور پابندیوں سے آزاد ہو کر بھی اتنی ہی دکھی ہے جتنی ہزار سال پہلے تھی۔ اس کے اندر سسکتی بھائی کی محبت اتنی ہی طاقتور اور بے پایاں ہے جتنی غیر ترقی یافتہ دور میں تھی۔ فرق صرف یہ ہے' کل وہ پھیلے ریگستان میں بنے کچے مکان کی منڈیر پر بیٹھے کوے کو بھائی کے نام سندیسہ بھیجتی تھی' آج ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھی کاغذ پر دکھ انڈیل رہی ہے۔

میری دیوار پر
اب کبھی کوئی کوا نہیں بولتا
کوئی اس پیار سے
سن کے آہٹ
دریچہ نہیں کھولتا

Marfat.com

عیدیاں
مہندیاں
عید کی چوڑیاں
مرقدوں میں
مزاروں میں مدفون ہیں
بھیا تیری حویلی سلامت رہے
تیرے گھر میں محبت بھری زندگی
ہنستی گاتی رہے تا قیامت رہے
میری دیوار پر
اب کبھی کوئی کوا نہیں بولتا

بلقیس محمود کی شاعری معاشرے کی بدلتی ہوئی فکری، شعوری، جذباتی اور سیاسی اقدار کی شاعری ہے۔ اسے گلہ ہے کہ آنکھ ظلم دیکھتی ہے، لب بولتے کیوں نہیں، احتجاج کیوں نہیں کرتے، قلم اس ظلم کی روداد لکھتا کیوں نہیں، فنکار گونگے اور اندھے کیوں ہو گئے ہیں، سچائی مر کیوں رہی ہے۔ جب اسے اپنے اس مفلوج معاشرے میں خاموشی اور تاریکی نظر آتی ہے تو وہ بڑی حوصلہ مندی سے اس کے خلاف احتجاج کرتی نظر آتی ہے۔

مجھے بولنے دو
کہ میں سننے اور دیکھنے کی اذیت
خموشی سے سہہ نہ سکوں گی
مجھے بولنے دو
کہ لفظوں کی طاقت
زمینوں کی رنگت سے
جلوہ فگن ہو
مجھے بولنے دو
کہ افلاک کی گردشوں پر
تکلم کی مہریں لگا دوں
مجھے بولنے دو

Marfat.com

سنا ہے کبھی آدمی کے لبوں سے خدا بولتا ہے

بلقیس محمود برانٹے سسٹرز کی طرح پختہ تخلیقی شعور رکھنے والی شاعرہ تھی۔ جس طرح انہوں نے آتش دان کے پاس بیٹھ کر گھریلو فضا میں عالمی انسانی رشتوں کا فن تخلیق کیا۔ بلقیس محمود نے بھی ایک گھریلو عورت کی مصروفیات سے وقت نکال کر عصری اور عالمی نا انصافیوں کے خلاف شاعری کی۔ فنکاروں کو ان کے منصب اور فرائض سے آگاہ کیا۔ معاشرے میں سرسراتے اور دم توڑتے جذبات کو شعری اسلوب میں ڈھالا۔ اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو کو اپنے فن کا حصہ بنایا اور انہیں اپنی اگلی نسل تک پہنچانے کی کوشش کی۔ "چودہ اگست کا تحفہ" اور "وصیت" جیسی نظمیں ایک پختہ تخلیقی شعور رکھنے والا شاعر ہی کہہ سکتا ہے۔

بلقیس کی شاعری سطحی جذبوں کی شاعری نہیں۔ خواب' سپنے' زلف' کھڑکی' دریچہ' آنکھ' خمار اور ایسے ہی بے شمار الفاظ جس میں بہت سے سنجیدہ شاعر بھی ابھی تک الجھے ہوئے ہیں' بلقیس کی شاعری ان الفاظ سے بہت دور ہے۔ اس کی نظم زندگی کے ان بنیادی حقائق پر ہے جو زندگی کی اصل سچائیاں ہیں اور جنہیں ایک سچا تخلیق کار ہی الفاظ کی گرفت میں لاتا ہے۔ ایک سرکاری افسر کی زندگی کا اصل آغاز ریٹائرمنٹ سے شروع ہوتا ہے جب وہ اپنی بیوی اور بچوں کو وقت اور توجہ دے سکتا ہے۔ پہلی اس کی زندگی دفتری اوقات کے کل پرزوں میں چلتی ہے۔ کافکا جب انشورنس کمپنی میں تھا تو ایک کلرک کی ریٹائرمنٹ پر تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ "تم خوش قسمت ہو کہ اب اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزارنے جا رہے ہو۔ اب گھر میں تمہاری آمد گھر والوں کے لئے مبارک لمحہ کی آمد کا سبب بنے گی"۔ بلقیس محمود کی ایک خوبصورت نظم میں سرکاری ملازمین کی دفتری مصروفیات' بیوی بچوں سے اس کی دوری اور ریٹائرمنٹ پر خوشی کا اظہار کیا گیا' اس لئے کہ اب وہ ملازمت کی قید سے آزاد ہو کر گھر آ رہا ہے۔ اب وہ اپنی بیوی اور بچوں کا ہو گا۔ اگرچہ اب وہ جوان نہیں۔ جوان لمحوں کی ساری رعنائیاں وہ دفتر میں نچوڑ آیا ہے مگر بیوی اور بچے خوش ہیں کہ اب اس کا سارا وقت ان کا ہو گا۔ یہ نظم سرکاری ملازم کی دفتری اور گھریلو زندگی کے پس منظر میں لکھی ہوئی ایک ایسی نظم ہے جس میں ابھرنے والے کرداروں کا کوئی علاقہ نہیں' وہ ساری دنیا کے شہری ہیں جو ایک ہی طرح سوچتے ہیں۔

جواں لمحوں کی رعنائی نچھاور کر کے دنیا پر

Marfat.com

زمانے بھر کی دانائی سجا کر اپنے ماتھے پر
خدا کا شکر ہے زندہ سلامت لوٹ آئے ہو
مجھے تو زندگی میں آج
پہلی بار اپنے لگ رہے ہو تم
اور پھر نظم ان مصرعوں پر ختم ہوتی ہے۔
خدایا میرے سارے گھر کو یہ لمحہ مبارک ہو
میرے محمود کو بچوں کو ہر لمحہ مبارک ہو

بلقیس محمود بنیادی طور پر نظم گو تھیں۔ ان کی شاعری میں کچھ غزلیں بھی شامل ہیں۔ غزل کہتے ہوئے انہوں نے پرانی فکر کی ہڈیوں کو دھو دھلا کر اسلوب کے دھاگے میں نہیں پرویا بلکہ منفرد لہجے میں بات کی ہے۔ مشاعرے کی فضا سے دور یہ شاعرہ داد و تحسین سے بے فکر اور لاتعلق ہو کر کہتی رہی اور وہ کہا جسے اس نے دل اور دماغ کے قریب تر سمجھا۔ غزلوں کی فضا میں بھی وہی دکھ درد رینگتے نظر آتے ہیں جو جونکیں بن کر زندہ رہنے والوں کا خون چوستے رہتے ہیں۔ یہ دکھ صرف بلقیس محمود کے نہیں' اس عہد میں سانس لینے والوں کے دکھ ہیں۔ اجتماعی دکھوں کا اظہار کرتے ہوئے بلقیس نے وہ لہجہ اختیار کیا ہے جو عہد جدید کے بیشتر شاعروں کے لہجے کی طرح معانی کا گلہ نہیں کاٹتا۔

منتشر ہو گئے سب لوگ ہمارے گھر کے
رابطے ٹوٹ گئے جان سے پیارے گھر کے
جو بھی اٹھتا ہے وہ گر جاتا ہے منہ کی کھا کر
اب بھلا کون یہاں کام سنوارے گھر کے

آؤ دل حساس کا تابوت بنائیں
بے نالہ و تکبیر کلیجے میں دبائیں

میں ڈھلا وقت' ڈسے وقت نہ سایہ وہ شخص
شام ڈھلنے کو ہے کیوں گھر نہیں آیا وہ شخص

بلقیس محمود کی شاعری گھٹن' حبس اور آمریت کے خلاف آزادی' ٹھنڈی ہوا اور

Marfat.com

کھلی فضا میں چلنے کا اعلان ہے۔ اس نے خاموشی کے خلاف آواز بلند کی۔ سستے رومان اور سطحی جذباتیت کا پرچم لہرا کر (Teen - Agers) کے گیت نہیں گائے' زندہ حقیقتوں کو شاعری کا موضوع بنایا۔ اس نے بولنے کی اجازت لے کر جو کچھ کہا وہ دیر تک یاد رہے گا۔ اپنے اردگرد پھیلی چھوٹی چھوٹی باتوں کو موضوع بنا کر بڑا بنا دیا۔ ٹی ایس۔ ایلیٹ نے کہا تھا کہ بڑی شاعری وہ ہے جس میں معمولی باتوں کو غیر معمولی بنا کر پیش کیا جائے۔ بلقیس محمود ہم میں نہیں مگر اس کی شاعری دیر تک ہم سے باتیں کرتی رہے گی۔

Marfat.com

# "مجھے بولنے دو" کی شاعری

منشا یاد

اب صبح بھی آجائے تو ہر گز نہ جگانا
میں رات کے جگ راتے سے ٹوٹی سی پڑی ہوں
وہ چیخ ہوں جو پھیل گئی کرب و بلا میں
وہ میخ ہوں جو درد کے خیمے میں گڑی ہوں

بلقیس محمود جنہیں زندگی سے بے پناہ محبت تھی اور جنہوں نے اپنی نظم "مجھے مرنے نہ دو" میں اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ محبت کی پائندہ جنت میں ابد تک زندہ رہنا چاہتی ہیں آج ہم میں نہیں ہیں۔ موت تو بڑی دیر سے ان کے تعاقب میں تھی اور بلقیس کو اس کی پوری خبر تھی۔ اسی لئے وہ کہتی تھیں "ہوا کے سامنے جلتا ہوا چراغ ہوں میں" اور یہ کہ "میں اپنے جسم کے اندر چھپے قاتل سے چھپتی پھر رہی ہوں" موت کی آہٹوں اپنوں سے بچھڑنے اور اس عالم رنگ و بو سے جدا ہونے کے احساس نے زندگی سے ان کی محبت کو اور بھی بڑھا دیا تھا اور مرنے کا تصور انہیں دہلا دیتا تھا۔

اے بدلتی ہوا
میں کہاں جاؤں گی
پتھروں، پانیوں مٹیوں سے پرے
کوہ قافوں ہمالاؤں سے اس طرف
دیکھتے دیکھتے
ڈھونڈتے ڈھونڈتے
وقت کی وادیوں میں اتر جاؤں گی
میں تو مرجاؤں گی

لیکن ان سب کے باوجود وہ گھر اور محفل میں ہمیشہ خوش نظر آتیں اور چہکتی رہتیں اور امید کا دامن کبھی نہ چھوڑا۔ موت کے خوف کے باوجود نور، روشنی اور اجالے سے محبت کرنے والی اور شبیہہ سحر بنانے کی آرزومند شاعرہ بلقیس محمود سمجھتی تھیں کہ۔

Marfat.com

موت کے باوجود بھی ہوگا
ہم کو ادراک نور لمحوں کا

بلقیس محمود پیدائشی اور نہایت پرگو شاعرہ تھیں۔ بعض اوقات وہ فی البدیہہ اشعار بھی کہہ دیتیں۔ چٹ پر لکھ کر (ممتاز) مفتی صاحب کو بھیج دیتیں یا کسی جلسے میں مہمان خصوصی کو بھجوا دیتیں۔ وہ خود بتاتی ہیں کہ لکھنے کا آغاز بچپن سے کیا اور کوئی ایسا دن نہ گزرا تھا جب کوئی نظم یا نثرپارہ نہ لکھا ہو۔ "مجھے بولنے دو" میں زیادہ تر ان کی وہ نظمیں اور غزلیں شامل ہیں جو انہوں نے اس دور میں لکھیں جب پرندے گھونسلوں میں دم گھٹنے سے مر رہے تھے' روشنی بند تھی اور بستی میں لمحے سربریدہ پھر رہے تھے۔ سچ بولنے اور سچ لکھنے پر قدغن کے اس دور میں بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اپنے اپنے انداز میں صدائے احتجاج بلند کی مگر بلقیس کے ہاں یہ آواز نہایت واضح اور شدید ہے۔

موذن اپنے حجروں میں ہی سوتے رہ گئے ہیں کیا
وفا کے لفظ سیل شب کے اندر بہہ گئے ہیں کیا
سیاہ پوشو! کہیں سورج کا کوئی مر گیا ہے کیا
سحر زادو! سویرا شہر خالی کر گیا ہے کیا

بلقیس محمود نے بہت لکھا اور ہر لکھنے والے کی طرح وہ سنانے اور دوسروں تک پہچانے کو بھی بیتاب رہتی تھیں۔ مجھے اس سے اختلاف ہے کہ وہ گوشہ نشین تھیں۔ وہ بہت سی محفلوں کی جان تھیں اور محفلیں آباد کرتی تھیں۔ 1995ء سے پہلے جب ان کو کینسر کے بارے میں معلوم ہوا' وہ بہت زندہ دل اور محفلیں سجانے والی اور چہکنے والی خاتون تھیں۔ انہوں نے ادبی تنظیموں رابطہ' سلسلہ اور حلقہ ارباب ذوق میں متعدد بار اپنی نظمیں سنائیں اور داد و تحسین حاصل کی۔ وسائل میسر ہونے کے باوجود اس نے اپنی کتاب کی شاعت کا بندوبست نہ کیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ اپنی کتاب چھپوا کر اپنے شوہر کی مشکلات میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھیں جو اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھے اور بہت سی نظموں میں اس طرح کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ وہ پہلے ہی زیر عتاب تھے۔

میں تجھے غیر کی گلیوں میں نہ جانے دیتی
مرے گھر پر جو نہ آسیب کا سایہ ہوتا

Marfat.com

گھر کا ذکر ان کی شاعری میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ اس سے مراد وہ چار دیواری بھی ہے جس میں وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی تھیں اور وطن کا استعارہ بھی لیکن اس گھر پر آسیب کا سایہ ہے اور گھر کی دیواروں' دالانوں اور دروازوں پر خوف کے سائے رینگتے اور بڑھتے دکھائی دیتے ہیں ۔

بام و در مرے گھر کے بچائے کوئی
سانس در سانس دھواں دھار دھواں ہے لوگو

وطن' آزادی اور محرومی کے شکار لوگوں سے محبت ان کا ایک اور پسندیدہ موضوع ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کا بیشتر حصہ اس کے لئے وقف کردیا ہے۔ اپنی نظم وراثت میں وہ آزادی کے بارے میں اپنے جذبات کا اس طرح اظہار کرتی ہیں ۔

چار دن گرمی قیامت سی مچا دیتی ہے
سو برس ذہن جلے ہوں تو تپش کیا ہوگی
قید اک لمحے کی جذبات کو ڈس لیتی ہے
سو برس عہد غلامی کی خلش کیا ہوگی

اپنے گھر یا وطن کے بارے میں وہ جب کوئی بری خبر سنتی ہیں (اور بری خبروں کی تو ہمارے ہاں ہمیشہ سے فراوانی رہی ہے) تو ان کا حساس دل خون کے آنسو روتا ہے ۔

اب تو خبروں سے بھی میں قتل ہوئی جاتی ہوں
پڑھ کے اخبار کو مقتل میں چلی جاتی ہوں
تم مجھے آج کا اخبار نہ دو

حساس اور دردمند دل رکھنے والی شاعرہ بلقیس محمود گھر اور وطن ہی کے لئے مضطرب اور بے چین نہیں ہے۔ اس کے جگر میں تو سارے جہاں کا درد ہے۔ وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم اور ناانصافی دیکھتی ہے تڑپ اٹھتی ہے ۔

خبر خبر پہ لگی سرخیاں ارے توبہ
ہر ایک سرخی مرے خون میں اترتی ہے
کہیں بھی کوئی اجڑتا ہے یا تڑپتا ہے
مرے وجود میں ہر دم حیات مرتی ہے

انہوں نے کشمیر کے بارے میں بہت سی نظمیں لکھیں اور کتاب میں شامل واحد پنجابی نظم بھی کشمیر کے بارے میں ہے ۔

Marfat.com

کشمیر وچ اگ بلدی

کراچی کے فسادات اور صورت حال پر زیتون کی شاخ لے کر وہاں جانے اور امن کی فاختہ کو بچانے کی آرزو کرتی ہیں فلسطین کے اور لبنان کے بارے میں انہوں نے خوبصورت نظمیں کہیں۔ ذرا لہجے کی کاٹ دیکھئے ۔

قبر پرستو!
جنازہ بردارو!
اب تو اٹھو
اٹھو
کہ بستان چل رہا ہے
اٹھو کہ فرعون وقت
بلڈوزوں کو لے کر
ہزاروں لاشوں اٹی
زمینوں کے جلتے سینوں پہ
چل رہا ہے
زمیں کی ممتا تڑپ رہی ہے
فلک غضب رنگ گردشوں سے پناہ طلب ہے

بلقیس محمود دراصل عوام کی شاعرہ یا عوامی شاعرہ ہیں۔ انہوں نے ہر قومی دن' تہوار اور ہر قومی سانحے پر اپنے جذبات و محسوسات کا اظہار کیا۔ وہ طالبات میں بہت مقبول تھیں۔ ان کے سکولوں اور کالجوں میں اکثر نظمیں پڑھتیں اور نئی نسل کو اپنی روشن فکر منتقل کرتی رہتی تھیں۔ یوم پاکستان' چودہ اگست کا تحفہ' گیارہ ستمبر' اذان آزادی' ترانہ کشمیر اور برادران علوم و فن اسی سلسلے کی نظمیں ہیں۔ عورت کی آدھی گواہی پر انہوں نے نہ صرف ایک معرکتہ الارا نظم کہی بلکہ ایک ایسا سوال بھی اٹھایا جس کا جواب شاید ہی کوئی دے سکے' کہتی ہیں ۔

ہم اپنے آدھے وجود لے کر
تمہاری محفل میں کیسے آئیں؟
کہ ہم تو شاخوں پہ ڈالیوں پہ
بندھے گھروندوں کی بند چڑیاں

Marfat.com

یہ آدھی قیمت بھی منصفوں کا کرم ہے ورنہ
ہمارے آدھے وجود بھی بے وجود ہوتے
سنا ہے تم میں ہر ایک کی ماں عظیم تر ہے
ہر ایک کی بہن غیرتوں کا عظیم پیکر
تو پھر یہ ہم ۔ ساری کون ہیں؟

خطابیہ یا ندایہ انداز ان کو بہت مرغوب تھا۔ چنانچہ کئی نظموں کے عنوان ہی سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے جیسے اٹھو' آؤ' ڈرو' لوگو' لڑکیو' مجھے مرنے نہ دو مجھے نہ جگانا' محتسب سے کہو' کب جاگو گے' مجھے میرا قلم دے دو' جیسی نظمیں اور وہ نظم جس پر کتاب کا نام رکھا گیا "مجھے بولنے دو"۔ بلقیس محمود کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انہوں نے شخصی ذاتی حوالوں سے بھی بہت سی نظمیں کہیں جیسے میرا بچھڑا ہوا بھائی' تمہارے نام' پپو کے نام' شوگر کی مریضہ' پروین شاکر' پروین عاطف کی الوداعی شام' ڈاکٹر حسن عباس عسکری اور اپنے شوہر کی ریٹائرمنٹ پر مگر انہوں نے فنی سلیقے کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور ایسی نظموں کو بھی وسیع معنویت عطا کی مثلاً" پروین عاطف سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں ۔

میں اور تو
ہم آرزو
ہم ذوق
ہم آواز
ہم طوق
ہم جلاد
ہم خرمن
ہم صیاد
اتنے سارے ہم میں رشتے تھے

اور شوہر کی ریٹائرمنٹ والی نظم تو بہت ہی خوبصورت ہے ۔

مجھے تو زندگی میں
آج پہلی بار اپنے لگ رہے ہو تم!
وہ سرکاری سا چہرہ

Marfat.com

غیر سرکاری نظر آیا ہے برسوں میں
خدا کا شکر ہے دفتر سے آخر گھر تو آئے ہو

بلقیس محمود کی شاعری سچے جذبات اور روشن فکر کی شاعری ہے۔ انہوں نے ذاتی حوالوں کے علاوہ بعض ہنگامی نوعیت کے موضوعات پر بھی نظمیں کہی ہیں۔ افسانہ نگاروں میں یہ خوبی ہمیں اختر جمال کے ہاں نظر آتی ہے جنہوں نے سمجھوتہ ایکسپریس' سکائی لیب اور زکواۃ کے بارے میں افسانے لکھے۔ ہنگامی یا روز مرہ واقعات اور حادثات پر لکھنا کوئی عیب نہیں بشرطیکہ اسے صحافتی رنگ سے آلودہ نہ ہونے دیا جائے۔ بلقیس محمود کے فن کی خوبی یہ ہے کہ وہ سامنے کی بات کو بھی عمومی یا عامیانہ نہیں بننے دیتیں اور بقول جناب احمد ندیم قاسی یکایک فن کی ایک "ماسٹر سڑوک" نقشہ ہی بدل دیتی ہے اور نظم فن پارہ بن جاتی ہے۔

بلقیس محمود کے ہاں اسلوب کے حوالے سے دونوں انداز اور لہجے موجود ہیں۔ تفصیلی اور واشگافانہ اظہار کا بھی اور علامت اور استعارے کے ذریعے بات کہنے کا بھی جیسے "سورج امید سے ہے"، "آرزؤں کے پاؤں بھاری ہیں" کس قدر مشتبہ خموشی ہے' ساعتیں حاملہ ہیں وغیرہ۔ ان کے ہاں سیاسی' سماجی معاشرتی اور قومی حوالے سے موضوعات کی فراوانی ہے مگر انہوں نے محبت کے موضوع پر بھی بہت سی نظمیں اور غزلیں کہی ہیں اور یہاں بھی ان کا انداز اور لہجہ مختلف اور منفرد ہے۔

عجب ہے
زندگی بھر میں نے لفظوں سے محبت کی
میں لفظوں سے بہلتی تھی
انہی سے زندہ ہو جاتی
انہی سے ٹوٹ جاتی تھی
مجھے رنگ تکلم عشق کی جنت میں لے جاتا
تخاطب کا تاثر عقل کو مدہوش کر دیتا

وہی میں ہوں
مگر اب ان کہے لفظوں پہ روتی ہوں

بلقیس محمود ایک نہایت نفیس اور خوشگوار شخصیت کی مالک تھیں۔ محفلوں کو آباد کرتیں' خود محفلیں سجاتیں' میزبانی کر کے اور دوسروں کو کھلا پلا کر خوش ہوتیں۔ ان

Marfat.com

کی کتاب پڑھتے ہوئے ان کی آواز برابر سنائی دیتی رہتی ہے' تھکا تھکا دھیما مگر پراعتماد لہجہ کھلے اور ہموار میدان میں بہتی ندی کی طرح ہے۔ انہی کے ایک شعر پر بات ختم کرتا ہوں۔

میں کیسے جاؤں کہ میلہ ابھی عروج پہ ہے
کھڑا ہے رہ میں تمنا کا قافلہ جاناں

Marfat.com

# ماں کی سچی محبت پر استوار شاعری

زاہدہ صدیقی

سچی شاعری دل کی تہوں سے جنم لیتی ہے۔ دل میں جس قدر گہری محبت ہو گی' وہ اسی قدر توانائی کے ساتھ شاعر کی رگ رگ سے پھوٹے گی اور سچی شاعری کا روپ دھارے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بنیادی انسانی رشتوں سے محبت اور ان کے تقدس پر استوار شاعری سے زیادہ سچی شاعری ممکن نہیں' کہ ان رشتوں سے زیادہ سچا رشتہ کوئی اور نہیں ہوتا۔

بنیادی انسانی رشتوں میں ماں' باپ' بہن' بھائی' اولاد سرفہرست ہیں اور ان کے حوالے سے کہی ہوئی یادگار نظموں سے اردو شاعری کا دامن بھرا ہوا ہے۔ ماں کے حوالے سے اس عہد کے شاعروں میں سے طاہر شادانی' عارف عبد المتین' عبد العزیز خالد' حفیظ صدیقی' اطہر صدیقی' اعجاز فاروقی' سعید بدر کی نظمیں' باپ کے حوالے سے حمید جالندھری' حفیظ صدیقی' اطہر صدیقی کی نظمیں یادگار اور ماں باپ کے حوالے سے شاہدہ صدیقی کی "جانے والوں کے نام" حیثیت کی حامل ہیں تو اولاد کے حوالے سے بھی "ننھا گل چیں" (عارف عبد المتین) "سفر کی عطا" (عارف عبد المتین) "لمحہ لمحہ میری موت" (اعجاز فاروقی) "سوزغم" (جمیل ملک) "گریہ یعقوب" (حمید جالندھری) "دیدہ یعقوب" (عرش صدیقی) "دعائے نیم شبی > (عرش صدیقی) "رباب کے نام" (ادیب سہیل) "ابھی سورج نہیں نکلا" (حفیظ صدیقی) اور "طلوع کا حوالہ" (حفیظ صدیقی) جیسی لافانی نظمیں انسانی رشتوں سے محبت کرنے والوں کے لئے محبت کے جذباتی سفر میں ہمراہی کا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔

بلقیس محمود بھی شعراء کے اس کارواں سے تعلق رکھتی ہیں جنھوں نے بنیادی انسانی رشتوں سے سچا پیار کیا اور ان کے پیار کو اپنی شاعری میں سمو کر اسے سچی شاعری کی صورت عطا کی جو اپنے اندر غیر فانی ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس نے ماں' باپ' بھائی' بہن اور بیٹے کے لئے بہت سی نظمیں لکھیں اور جس انداز سے ایک ماں کے جذبات کی عکاسی کی اس کی مثال آسانی سے نہیں ملتی۔ بلقیس محمود کی نظمیں جدائی کی نظمیں ہیں جن میں ہجر اور فراق کی کیفیات کی صورت گری پڑھنے والوں کو اپنے

Marfat.com

ساتھ بہا کر لے جاتی ہے۔

بلقیس محمود کی بیٹے کی جدائی میں کہی ہوئی تینتالیس نظموں نے مکمل شعری مجموعے "میرے چاند" کی صورت اختیار کر لی ہے جسے موضوع کے اعتبار سے اردو شاعری میں اولیت حاصل ہے۔

سعید احمد اختر کا ایک شعر ہے۔

چکور خوش ہے کہ بچوں کو آ گیا اڑنا
اداس بھی ہے کہ رت آ گئی بچھڑنے کی

اس شعر میں ایک باپ' اپنے بچوں کو جوان ہوتے دیکھ کر خوش بھی ہو رہا ہے اور اس تصور سے اداسی کا شکار بھی ہو رہا ہے کہ ان کے جوان ہونے کے ساتھ ہی اسے ان کی جدائی کا دکھ بھی سہنا پڑے گا۔ یہ سچی کیفیت اولاد کے حوالے سے جہاں ہر باپ کے دلی جذبات کی عکاسی کر رہی ہے وہاں ہر ماں کے جذبہ محبت کی ترجمانی بھی کر رہی ہے۔

بلقیس محمود کو بھی جدائی کا یہ دکھ سہنا پڑا جس نے "اتنی جلدی دور نہ جاؤ" "ٹیلی فون"، "عید پر" "بڑائی کتنی مشکل ہے"، "محتسب" "اتنے دن"، "اداس لمحوں کا زہر"، "ابھی تو ننھیال ہی گئے ہو"، "امریکہ میں کیا بجا ہے"، "چاند کے نام"، "انتظار عظیم"، "سورج کے نام"، "میرے ویران گھر میں"، "دل لگ گیا ہے"، "بیٹے کے نام"، "تیری سالگرہ پر"، "میں ہار گئی بیٹا"، "باغباں بیٹے سے کہنا" اور "میرے لعل کبھی یہ سوچنا" جیسی یادگار نظموں کی صورت اختیار کر لی۔

بلقیس محمود کی بیٹے کے فراق میں کہی ہوئی نظمیں جنہیں اس نے منظوم خطوں کا نام دیا ہے وہ ماں کے سچے جذبوں سے گندھی ہوئی ایسی سچی کیفیات پر استوار ہیں جن سے ساری مائیں گزرتی ہیں مگر ساری ماؤں کو اظہار کا ایسا اثر آفرین انداز نصیب نہیں ہوتا۔ ماؤں کی تڑپ کو جس اثر آفرین انداز میں بلقیس محمود نے شعری پیرہن عطا کیا ہے وہ نہ صرف ان نظموں کو بلکہ ان نظموں کو وجود میں لانے والی ہستی کو بھی غیر فانی بنانے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔

اولاد کی جدائی میں ماں پر کیا گزرتی ہے' وہ کس کس طرح اسے یاد کرتی اور اس کی یاد میں تڑپتی ہے' وہ کس طرح اس کے خط کی صورت میں اس کی تحریر دیکھنے کی آرزو مند رہتی ہے' وہ کس طرح فون پر اس کی آواز سننے کو ترستی ہے' وہ کس طرح

Marfat.com

اس کے بارے میں جاننے کی تمنائی رہتی ہے' وہ اس کی خیریت کے لئے کس کس انداز میں دعائیں کرتی رہتی ہے اور اپنے آپ کو دلاسے دیتی رہتی ہے اس کے دلپذیر روپ ملاحظہ کرنے ہوں تو بلقیس محمود کی نظموں کا مطالعہ کرنا چاہئے جو ان ساری کیفیات کی صورت گری کی نہایت موثر مثال ہیں۔ نظموں کے کچھ اقتباسات ملاحظہ کیجئے جو میرے دعوے کی عملی تائید کے لئے کافی ہیں۔

اگر بچھڑنے سے ملتی ہیں عظمتیں تجھ کو
تو میرے لعل بچھڑنا تجھے مبارک ہو
اگر یہ فاصلے دے دیں گے منزلیں تجھ کو
تو فاصلوں کا یہ صحرا تجھے مبارک ہو

چتا میں ڈال رکھا ہے مرا زندہ بدن بیٹے
ہر اک لمحے کے ایندھن میں جلے جاتا ہے تن بیٹے

تو خیر سے جا
ترے تصور کو
لوریوں میں دعائیں دوں گی
میں دور سے بھی
سلامتی کی
حفاظتوں کی
محبتوں کی دعائیں دوں گی

اے میرے لعل لاڈلے جہاں رہے تو خوش رہے
یہاں رہے وہاں رہے جہاں رہے تو خوش رہے

جو دل پاگل نکلا ماں کا دل ٹھہرا
ماں کو سونپ دیا جو دل بسمل ٹھہرا

اور پھر۔

Marfat.com

میں اپنے لعل کا یوم ولادت یوں مناتی ہوں
دعاؤں کو مبارکباد کا محور بناتی ہوں
رہے محفوظ ہر لحہ وہ ٹھہرے خوب تر سب سے
زمانہ روشنی پائے ہمیشہ اس کے منصب سے

Marfat.com

# سچے جذبات کی زندہ جاوید شاعرہ---بلقیس محمود

محمد جنید اکرم

ملاقات کی غرض سے میں برادرم منصور سہیل کے دفتر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ پنجاب آرٹس کونسل کے دفتر میں مصروف ہیں۔ میں یونہی کچھ دیر سستانے کی غرض سے وہاں بیٹھ گیا۔ فون کی گھنٹی بجی اور شکیل انور (منصور بھائی کے پی اے) کسی سے پریشانی اور کرب کی ملی جلی کیفیت میں بات کرنے لگے۔ یک طرفہ گفتگو سن کر میں جان گیا کہ منصور سہیل کے کسی قریبی عزیز کا فون ہے اور ان کی ہمشیر کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ اس خبر نے مجھے نہایت اداس کر دیا۔ میں نے وہیں سے ٹیلی فون پر پنجاب آرٹس کونسل کے دفتر میں منصور بھائی سے بات کی۔ ان کے جذبات نے مجھے شدید دکھ اور کرب کا شکار کر دیا۔ کہتے ہیں دوست کی بہن بہن ہوتی ہے اور قائد کی بہن ماں ہوتی ہے۔ منصور سہیل بڑے بھائیوں کی سی شفقت اور محبت دینے والے نہایت عزیز دوست ہیں لہٰذا ان کی بہن میرے لئے بہن کی حیثیت سے قابل احترام ٹھہریں۔ منصور بھائی کے یہ الفاظ کہ "باجی کی موت نے مجھے ایک بار پھر ماں کی موت یاد دلا دی ہے" مجھے غم کی شدید کیفیت میں مبتلا کرنے کے لئے بہت کافی تھے۔ ٹیلی فون پر ان کی گفتگو سنی نہیں جا رہی تھی۔ ان کے دکھ بھرے جذبات لال دین اسیر سوہلوی (مرحوم) کے اس شعر کی صورت اختیار کرنے لگے۔

بسن کھیڈن نال لے گیا' سٹ گیا وچ فکراں
پاٹی لیر پرانی وانگوں ٹنگ گیا وچ ککراں

منصور سہیل اپنے اہل خانہ کے ساتھ اسلام آباد روانہ ہو گئے آج ہفتے کا دن اور اگست 1997ء کی 9 تاریخ تھی۔ اگلے روز 10 اگست 1997ء کو پنجاب آرٹس کونسل کی جانب سے پاکستان کی گولڈن جوبلی کے سلسلے میں الحمرا کلچرل کمپلکس میں عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی اور شوکت علی کے ساتھ محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کے انتظامات بھی پنجاب آرٹس کونسل کے قائم مقام ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی حیثیت سے منصور بھائی کی زیر نگرانی مکمل ہو رہے تھے۔ باجی بلقیس کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دس اگست کو اپنی سرکاری ڈیوٹی ادا کرنے کے لئے انھیں اسلام آباد سے لاہور آنا

Marfat.com

پڑا۔ انتظامات کا مکمل جائزہ لیا۔ ہزاروں لوگوں کا ہجوم چیخ چیخ کر اپنے من پسند فنکاروں کے گیتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ منصور بھائی بھی پنڈال میں گھوم پھر کے کبھی کسی اور کبھی کسی کونے میں بیٹھ کر انتظامات کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کا دل اسلام آباد میں اور دماغ لاہور میں تھا۔ ان کے ہونٹوں پر عوامی جوش و خروش اور محفل موسیقی کے کامیاب انعقاد کے لئے مسکراہٹیں بکھر رہی تھیں اور آنکھوں سے باجی کی جدائی کے غم میں آنسو ٹپک رہے تھے۔ ان کے ہونٹوں کی مسکراہٹیں تو بڑے لوگوں کو نظر آتی ہوں گی مگر دل کا درد کسی دوسرے کو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ لوگ محفل موسیقی انجوائے کر رہے تھے مگر کوئی اس تقریب کے منتظم اعلیٰ کے دل کی کیفیت نہیں جانتا تھا جس کی وجہ سے تفریح کے یہ لمحات انہیں میسر ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے دل کی کیفیت جاننا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ میں باآسانی ان کی دلی کیفیت سے آشنا ہو رہا تھا۔

چند برس قبل ایسی ہی کیفیت سے مجھے گزرنا پڑا۔ میرے بھائی سہیل اکرم المعروف سہیل احمد کا چاند سالخت جگر فیضان احمد کم سنی میں وفات پا گیا۔ سہیل اسٹیج اور ٹیلی ویژن کا اداکار ہے۔ بچے کی وفات صبح کے وقت ہوئی۔ اسے اپنے آبائی شہر گوجرانوالہ میں دفن کرنے کے لئے ہمیں لاہور سے گوجرانوالہ آنا پڑا۔ شام پانچ بجے بچے کو آبائی قبرستان میں دفن کیا۔ صف ماتم بچھی تھی اور شہر بھر سے تعزیت کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا مگر آنے جانے والوں کی نظروں سے بچ کر سہیل کو رات آٹھ بجے تک لاہور پہنچنا تھا تاکہ سٹیج پر ہونے والے اپنے ڈرامے میں شرکت کر سکے۔ میں اس کے ساتھ تھا میں نے دیکھا کہ وہ اپنے کردار سے لوگوں کو ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر رہا تھا۔ ڈرامے کے اختتام پر گوجرانوالہ واپس جاتے ہوئے گاڑی میں اپنے ساتھ والی نشست پر مسلسل خاموش اپنے بھائی کی آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسو اس کے اندر کے کرب کو صاف ظاہر کر رہے تھے۔

یقیناً یہی حالت منصور سہیل کی اس روز ہو رہی ہو گی۔ تیسرے روز جب میں منصور بھائی کے پاس بیٹھا باجی کی وفات پر اظہار افسوس کر رہا تھا تو یہ معلوم ہوا کہ دو روز قبل اخبارات میں شائع ہونے والی خبر کہ "اسلام آباد کی معروف شاعرہ بلقیس محمود انتقال کر گئیں" وہ "بلقیس محمود" منصور سہیل کی بڑی باجی تھیں۔ یہ بات میرے لئے ایک خبر کی صورت تھی۔ اس خبر سے ایک طرف تو یہ معما حل ہوا کہ منصور سہیل کی

Marfat.com

گفتگو میں اس قدر چاشنی اور محبت کیوں ہے اور وہ اہل علم و ادب سے اس قدر چاہت کا اظہار کیوں کرتے ہیں۔ مگر یہ دکھ بھی ہوا کہ منصور بھائی نے باجی کی زندگی میں کبھی یہ بات نہ کی۔ شاید ان سے ملاقات کا شرف ہی حاصل ہو جاتا۔ مگر میں ملاقات کے لئے دو بدو ہونے کا قائل نہیں ہوں۔ آج منصور بھائی نے باجی کی پہلی شعری کتاب "مجھے بولنے دو" عنایت کی۔ گویا یہ باجی سے میری پہلی ملاقات تھی۔

میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے کتاب کے سرورق کو بغور دیکھا اور کتاب کی سرسری ورق گردانی کی۔ کتاب کا جاندار ٹائیٹل ' اندرونی صفحات کی طرف بڑھنے کی دعوت دے رہا تھا۔ آغاز میں نعت نے ذرا ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ میں نے آج تک اردو نعت میں ایسا خوبصورت مضمون اور ایسے متنوع خیالات بہت کم دیکھے ہیں۔ کتاب کی ابتدائی نظمیں ہی قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ منصور بھائی سے ملاقات کے بعد گھر آنے تک جہاں سڑک پر سرخ اشارہ ہوتا میں رک کر کتاب کھولتا اور کسی نہ کسی نظم سے محظوظ ہونا شروع کر دیتا۔

جاوید نامہ میں علامہ اقبال نے فلسفہ حیات و موت پر بحث کی ہے۔ ان کے مطابق انسان دو دفعہ جنم لیتا ہے۔ پہلی دفعہ شکست شکم سے اور دوسری دفعہ شکست عالم سے۔ میں اسی بات کا قائل ہوں کہ انسان دو دفعہ پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی کہ دو دفعہ مرتا ہے۔

جو شخص دوسری پیدائش کے مرحلہ سے گزر جاتا ہے وہ پہلی موت نہیں مرتا۔ دوسری پیدائش ہر انسان کو نصیب نہیں ہوتی جو لوگ دوسری پیدائش کے مرحلہ سے گزرتے ہیں انہی کے لئے بلھے شاہ نے کہا تھا۔

بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں
گور پیا کوئی ہور

جو شخص دوسری پیدائش کے مرحلہ سے نہ گزر سکے وہ دو دفعہ مرتا ہے اس کی پہلی موت اس کے وجود کی نہیں بلکہ اس کی روح کی موت ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں چلتا پھرتا کام کرتا کھاتا پیتا نظر آتا ہے مگر اس کی مثال ایک زندہ لاش کی سی ہوتی ہے۔ دوسری پیدائش درحقیقت عشق سے ہوتی ہے۔ یہ عشق کا فلسفہ بھی عجیب ہوتا ہے جس شخص کے اندر عشق انگڑائیاں لینے لگے گویا وہ جان لے کہ اس کی دوسری پیدائش ہونے کو ہے۔ انسان دوسری پیدائش کے ذریعے اپنے اندر سے عشق و مستی کی اس

Marfat.com

کیفیت کو جنم دیتا ہے جو کسی نئے روپ میں اس دنیا میں اسے زندہ رکھتی ہے۔
بلقیس محمود دنیا میں آنے والے ان افراد میں سے تھیں جو اپنی پیدائش کے دونوں مراحل مکمل کرتے ہیں۔ شکست شکم سے جنم لینے کے بعد بلقیس محمود کے من میں عشق کی بے تابیوں نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو ان کی دوسری پیدائش ہوئی۔ بلقیس محمود کا محبوب ان کا وطن اور ان کے رشتے تھے۔ شکست عالم کے ذریعے اپنی دوسری پیدائش میں بلقیس محمود نے ایک شاعرہ کو جنم دیا۔ وہ شاعرہ جو پہروں سوچتی رہتی تھی۔ اپنا وطن، اپنے رشتے، اپنا شریک حیات، اپنے بچے، یہ معاشرہ، بیٹی، ماں، بھائی، بہنیں، پوری قوم کے بچے بھائی سب ان کی محبت کے محور تھے۔ وہ محبت کی دیوی تھیں۔ محبت کا اس قدر وسیع کینوس دوسرے جنم سے ہی میسر ہو سکتا ہے۔ پہلے جنم میں تو محبت اور احساسات نام کی کوئی چیز انسان کا ساتھ نہیں دیتی۔ بڑی بہن کے رشتے کا جو تاثر انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی منصور سہیل پر چھوڑا وہ قابل دید اور قابل ستائش ہے۔ منصور بھائی ان کی محبت اور شفقت کے جو قصے سناتے ہیں وہ انہیں ایک منفرد بہن بنانے کے لئے کافی ہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ کوئی بہن بیک وقت بہن بھی ہو اور ماں کی کمی بھی پوری کرے۔ ان کے شعری مجموعے "مجھے بولنے دو" کا قاری ہوتے ہوئے جو تاثر میں نے لیا ہے وہ بھی ایک باوقار اور مکمل شاعرہ کا ہے۔ گویا بلقیس محمود کے ساتھ دونوں حوالوں سے تعلق جوڑ کر اپنا سر فخر سے بلند کیا جاسکتا ہے۔ ان کا چھوٹا بھائی بن کر بھی اور ان کا قاری بن کر بھی۔
اکثر شاعروں یا ان کے شعری مجموعوں پر مضمون لکھتے ہوئے لکھنے والے کے پیش نظر شاعر کا قد بڑھانا یا اس کے شعری مجموعے کا علمی ادبی حلقے میں تعارف کروانا مقصد ہوتا ہے۔ مگر کچھ شاعر یا شعری مجموعے ایسے ہوتے ہیں جن کے موضوع پر مضمون لکھ کر لکھنے والا اپنا قد بڑھانا چاہتا ہے۔ ادبی تاریخ یہ بات سچ کر دکھائی گی کہ بلقیس محمود کا تعلق دوسری طرز کے شعراء میں ہوتا ہے۔ شاعری کے حوالے سے میں اردو میں حضرت علامہ اقبال اور مولانا الطاف حسین حالی اور پنجابی میں بابا فرید، بلھے شاہ اور بلبلائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے مکتبہ فکر کا [illegible] بے مقصد، بد رنگ، پست خیالات اور بے جان مضامین کی شاعری نہ صرف یہ کہ مجھے ناپسند ہے بلکہ میں ایسی شاعری سے جان چھڑاتا ہوں۔ اپنے ان خیالات کے اظہار پر میں معذرت خواہ ہوں۔ ہر قاری کا اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ میں نے مندرجہ بالا جملے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا

Marfat.com

ہے۔ کسی دوسرے کے نقطہ نظر سے اختلاف نہیں کیا۔ درحقیقت میں شاعر کے بارے میں اسی بات کا قائل ہوں کہ یہ "تلمیذ الرحمٰن" ہوتا ہے۔ شاعری خداداد صلاحیت ہوتی ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ شاعری اور مضامین کی صلاحیت خدا دیتا ہے اور خیالات شاعر کے اپنے ہوتے ہیں۔ لہٰذا بعض اوقات شاعری گھٹیا اور غلاظت سے بھرپور اور بیمار خیالات کی تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔ میں یہاں مثال کے طور پر ارادتاً کوئی شعر پیش نہیں کر رہا۔

علامہ اقبال نے اپنی نظم "شاعر" میں پوری قوم کو ایک جسم اور شاعر کو اس جسم کی آنکھ قرار دیتے ہوئے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

مبتلائے درد ہو کوئی عضو روتی رہتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

گویا شاعر تو ساری قوم کے حصے کے آنسو بہاتا ہے۔ میر تقی میر نے کہا تھا۔

مت سہل ہمیں سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کا ایک شعر ہے۔

عمراں بدھی دکھی حیاتی وین کرینیدی لے
تد کدھرے کوئی مرد سیانا دھرتی لکھوں جے

میرؔ، فقیر اور اقبال کے مندرجہ بالا اشعار میں سے بلقیس محمود کی شاعرانہ شخصیت کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ ایک مکمل شاعرہ ہیں۔ اردو زبان کی وہ شاعرہ جس پر بیسویں صدی کا اردو ادب ناز کرسکتا ہے۔ وہ شاعرہ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے بیسویں صدی کے اردو ادب کا مورخ فخر محسوس کرے گا۔ سچے جذبات کی شاعرہ، جس نے اپنی شاعری میں وطن کے گیت گائے ہیں۔ اپنے معاشرے کی زبوں حالی پر آنسو بہائے ہیں۔ دہشت گردی اور دہشت گردوں کے خلاف کھلم کھلا قلمی جنگ کی ہے۔ ان کی شاعری میں عورت کی بے بسی کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری میں عورت کی عصمت دری پر زنجیر عدل کی آواز ایوان ہائے عدالت کے در و دیوار ہلاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں بیٹیوں کے مسائل کا عکس نظر آتا ہے۔ پاکستانی لڑکیوں کی حیاء کے شرمیلے اور شوخ رنگ ان کی شاعری میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ محبت سے محبت، نفرت سے نفرت اور ظلم کے خلاف جنگ ان کی شاعری کا خاص وصف ہے۔

Marfat.com

ان کی ہر نظم بامقصد ہے۔ کوئی نظم اپنے سے پہلی یا بعد کی نظم کا سہارا لئے ہوئے نہیں ہے۔ ہر نظم اپنی جگہ اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ نہایت باوقار مقام۔ ہر نظم کے ہر ہر لفظ سے "مجھے بولنے دو" کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ اقبال نے کہا تھا۔ ع

آسماں چیر گیا نالہ بے باک میرا

بلقیس محمود کا ابھی پہلا ہی شعری مجموعہ آیا ہے۔ ابھی تو انہوں نے "مجھے بولنے دو" کہہ کر بولنے کی اجازت طلب کی تھی کہ فلک بے پیر نے انہیں خاموش کر دیا۔ شاید یہ بوڑھا آسمان جانتا تھا کہ اگر اسے بولنے دیا گیا تو ایک دفعہ پھر کسی کا نالہ بے باک آسمان کے پردوں کو چیر کر رکھ دے گا۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذاں سے پیدا

وہ اقبال کا زمانہ تھا۔ مرد مومنین کی ایک جماعت موجود تھی جن کی فلک شگاف اذانوں سے تاریکی ختم ہوئی اور سحر پیدا ہوگئی۔ یہ بلقیس محمود کا زمانہ ہے جب وہ نقیبان سحر کو مخاطب کر کے کہتی ہیں۔

نقیبان سحر
کچھ تو کہو یہ چپ سی کیسی ہے؟
وفا کے لفظ سیل شب کے اندر بہہ گئے ہیں کیا؟
نقیبان سحر کچھ تو کہو یہ رنگ کیسے ہیں؟

منیر نیازی نے معاشرتی دہشت گردی کو یوں بیان کیا ہے۔

گھر ڈیاں کندھاں اتے دِسن چھٹاں لال پھوار دیاں
ادھی راتیں بوہے کھڑکن ڈیٹاں چیکاں مار دیاں

بلقیس محمود کے ہاں دہشت گردی سے بھرپور تاریک رات میں اپنی گھبراہٹ اور خوف کی کیفیت ملاحظہ کیجئے۔

درو دیوار پر چھینٹے
لب و رخسار پر چھینٹے
عجب تاریکیاں ہیں
لال پیلے رنگ بھی محسوس ہوتے ہیں
نقیبان سحر کچھ تو کہو یہ شور کیسا ہے؟

Marfat.com

نفسی نفسی، خود غرضی، آپا دھاپی، لوٹ مار اور خوف و ہراس سے آلودہ اس آسیب زدہ گھر کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

گھر یہ کیا گھر کہ درو بام ہیں لرزاں لرزاں
ہر طرف بھوتوں کی پھنکارتی سانسیں ہیں رواں
یہ سیاہ بھوت کہ شب زاد لٹیرے بن کر
گھر کی دہلیز سے بنیاد میں گھس آئے ہیں

کس قدر دکھ اور کرب کی حالت ہے شاعرہ کی اپنے گھر کو لٹتا ہوا دیکھ کر شدت غم سے خاموش نہیں رہتی بلکہ دہشت گردوں کو برا بھلا کہہ رہی ہے، چیخ چیخ کر، شور مچا مچا کر، بے خوفی میں، بہادری کے انداز میں کہتی ہے۔

سیہ پوشو! کہیں سورج کا کوئی مر گیا ہے کیا
سحر زادو! سویرا شہر خالی کر گیا ہے کیا
نقیبان سحر! کچھ تو کہو
نقیبان سحر! اتنا بتا دو کب سحر ہو گی
دلوں کی عید جب عید سعید بام و در ہو گی؟
نقیبان سحر کچھ تو کہو

گھر کو برباد ہوتا ہوا دیکھ کر خاموش نہیں ہے۔ چاہتی ہے کہ سب اہل قلم، اور اہل زبان ان سیاہ پوشوں کے خلاف بولنے اور لکھنے میں اس کا ساتھ دیں۔ مگر خوف و ہراس کے مارے ہوئے جو اہل زبان اور اہل قلم گھروں میں مقید ہیں ان پر طنز کرتی ہے انہیں بلاتی ہے۔

آؤ بازار میں بیچ آئیں زبانیں اپنی
کوئی تو ہوگا جسے بولنا آتا ہوگا
کوئی تو ہوگا یہاں جس کی زباں کی جنبش
نقطہ گردش افلاک سے ملتی ہوگی
آؤ نیلام میں رکھ دیں یہ کروڑوں آنکھیں
روشنی کوئی تو آنکھوں کو ترستی ہوگی
عین ممکن ہے کوئی لمحہ خریدے آنکھیں
کسی نابینا مسافت کو ملے بینائی

Marfat.com

عین ممکن ہے کہ سورج کو نگہ مل جائے
آؤ دے آئیں ہواؤں کو ہی احساس زیاں
مفت بک جائے یہ انمول سی خوشبو شائد
کاش صحراؤں میں گلشن کی ہوائیں پھیلیں

بلقیس محمود نے سچے اور سچے الفاظ رقم کئے ہیں۔ ان کے اندر لفظ بن کر زندہ رہنے کی تمنا تھی۔ وطن کی محبت ان کی شخصیت کا نمایاں پہلو تھی۔ غربت' جہالت اور دقیانوسی سے آراستہ پیراستہ معاشرہ جس کا خواب ہمارے بزرگوں نے ہرگز نہیں دیکھا تھا انہیں بے چین اور بے قرار رکھتا تھا۔ معاشرتی گھٹن کی عکاسی ان کی بعض نظموں کے ایک ایک لفظ میں نمایاں نظر آتی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ غم عمر کو آدھا کر دیتا ہے۔ یقیناً" اپنے گھر کی زبوں حالی اور آئندہ نسلوں کے تاریک مستقبل کے غم کا سرطان ان کی عمر کو دیمک بن کر کھا رہا تھا۔ وہ اس نمی کی متلاشی تھیں جس سے اس مٹی کو زرخیز بنایا جاسکتا ہے۔ وطن سے ان کی محبت کی زندہ مثال ان کی وہ کتاب ہے جس کا عنوان "اللہ پاکستان لے چلیں" ہے۔ اس کتاب کا موضوع پاکستان ہے اور ایک سو بیس صفحات پر مشتمل یہ قلمی مسودہ انہوں نے صرف ایک دن میں تحریر کیا۔ یہ جذبہ حب الوطنی ان کی وطن دوستی کا نمایاں عکاس ہے۔

وطن اور ہم وطنوں کے روز بروز بڑھتے ہوئے مسائل اور دگرگوں حالات کو خاموشی سے دیکھتے اور سنتے رہنے کی اذیت جب بلقیس محمود سے سہی نہ گئی تو انہوں نے اپنے الفاظ کی طاقت کو زمینوں کی رنگت سے جلوہ فگن کرنے اور افلاک کی گردشوں پر تکلم کی مہریں لگا دینے کی غرض سے "مجھے بولنے دو" کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ اس شعری مجموعے کی اشاعت کی کہانی برادرم منصور سہیل نے مجھے سنائی۔ لحہ لحہ یہ داستان بڑی دلچسپ تھی۔ اس میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اپنی بڑی بہن کے سلے ہونٹوں کے کھولنے کا اہتمام کرنے میں بھی منصور بھائی نے مرکزی کردار ادا کیا۔ ویسے میرے علم میں ہے کہ منصور سہیل نے بہت سے سلے ہوئے ہونٹ جو عرصہ دراز سے چیخ چیخ کر "مجھے بولنے دو" کے نعرے لگا رہے تھے ان کے بولنے کا اہتمام کیا ہے۔ بلقیس محمود کے شعری مجموعے میں زیادہ تر نظمیں ہیں طویل اور مختصر بھی' طویل نظموں میں بوریت کا عنصر نہیں ہے اور مختصر نظموں میں تصورات کی پرواز اور مضمون کی ... اف نظر آتی ہے۔ ایک مختصر نظم بعنوان "قطعہ فرمائش" اس طرح ہے۔

Marfat.com

مجھے تحفے نہ دو
یہ بیش قیمت سے اثاثے
بانٹ دو
جو ان کا طالب ہو
اگر تم دے سکو
تو اپنا ہر لمحہ مجھے دے دو

ایک اور چھوٹی سی نظم ملاحظہ ہو۔ عنوان ہے "تم" لکھتی ہیں ۔

میں تمہارے لئے
استعارے نہیں ڈھونڈتی
کہ تمہارا کوئی استعارہ نہیں
آرزو...... زندگی اور محبت
فقط خول تھے
ان میں تم بس گئے
تو
لغت نے انہیں سرخرو کردیا

وطن کی قدر و منزلت اور اہمیت سے آشنا یہ عظیم شاعرہ جس کے ایک ایک لفظ میں سے اس کی "وصیت" کہ

جب آئے یوم آزادی
فقط یہ یاد رکھنا
یہ قومی لمحہ بڑی مشکل سے آیا تھا

بالاخر اپنی دوسری موت کے بعد پس پردہ خاک سکھ کی نیند سو گئی مگر اس نے اپنی پہلی موت کو اپنی دوسری پیدائش سے ختم کردیا۔ اب تاریخ تا ابد لفظوں کی دنیا میں انہیں زندہ رکھے گی کیونکہ اہل دل پر موت حرام ہے۔

Marfat.com

# بلقیس محمود کے لئے ایک تاثر

شبنم شکیل

سب سے بڑی بات جو صرف بلقیس محمود کے حوالے سے کرنے والی ہے یہ ہے کہ وہ بڑی حوصلہ مند خاتون تھی۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ اپنی تمام بیماری کے دوران میں بھی وہ دوسروں کو حوصلہ دیا کرتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حوصلہ کتنا زیادہ تھا۔ شدت احساس "مجھے بولنے دو" میں پوری طرح نظر آتی ہے۔ اتنی شدت سے احساس شاید بہت کم شاعروں کو نصیب ہوگی۔ انہوں نے بڑی طویل بیماری کاٹی اور ظاہر ہے کہ وہ جانتی تھیں کہ توانائی رخصت ہو رہی ہے۔ جیسے جیسے یہ توانائی ان کے وجود سے رخصت ہو رہی تھی ویسے ویسے یہ ساری توانائی زندگی سے بھرپور جذبہ بن کر ان کی شاعری میں در آیا تھا۔ یہ ایک بہت ہی غیر معمولی بات ہے۔ حب الوطنی' مثبت سوچ' کشادگی وغیرہ کی اصطلاحیں اگر واقعی صحیح معنوں میں کچھ لوگوں کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں تو ان میں سے ایک بلقیس محمود ہیں۔ ان کی نظمیں پاکستان کی محبت سے سرشار ہیں اور اس میں ان کے جذبے نظر آتے ہیں۔

زندگی تو سب کو پیاری ہوتی ہے لیکن ان کی شاعری پڑھ کر تو زندگی سے اور زیادہ پیار ہو جاتا ہے۔ ان کی ایک نظم جس کا نام کیمو تھراپی ہے اس کے صرف دو بند ملاحظہ فرمایئے۔

تیرے کیمیائی علاج نے
مجھے زندگی میں مٹا دیا
میرے شوخ زندہ وجود کو
میری حسرتوں میں دبا دیا
میرے سارے زندہ مباحثے
میری آرزو میرے وسوسے
میری گفتگو میری جستجو
میری زندگی میرے قہقہے

سب چیزوں کو بیان کرنے کے بعد آخر میں کہتی ہیں۔

Marfat.com

میرے کیمیائی وجود میں
میرا اپنا آپ بکھر گیا
جسے میں بچانے کو لائی تھی
وہ میرا وجود کدھر گیا

اس نظم میں خاص بات یہ ہے کہ یہ نظم ہر آدمی نہیں کہہ سکتا یعنی میں تو یہ سمجھتی ہوں اس کو Appreciate کرنا بھی اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ ایسے ہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو کسی بہت بڑے Emotional اور Physical Trauma سے گزرے ہوں۔ وہ اس سے گزری تھیں اور انہوں نے اسے اپنی رگ جان سے قریب کر دیا تھا۔ اس کے بعد اسے بیان کرنا ان کی ہمت تھی۔ ان کی بہت سی نظمیں ایسی ہیں جن کو پڑھ کر آپ کو احساس ہو گا کہ خلوص اور جذبہ کی شدت کو کس طریقہ سے بلقیس نے بیان کیا ہے۔ اسی نظم کے حوالے سے بہت سی نظمیں ہیں جو اصل یعنی جو اس کی لب لباب ہے۔ پچھلے دنوں میں خالدہ حسین سے اس کا ایک افسانہ سن رہی تھی۔ اس میں اس نے ایک بات کی ہے کہ کس طرح ایک شخص کو کسی کی موت کو دیکھنے کے بعد اپنا آپ ایسے لگتا ہے جیسے اس کا وزن ختم ہو گیا ہے۔ Weight lessness کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو خالی محسوس کرتا ہے اور زندگی کو دوبارہ گرفت میں لانا چاہتا ہے۔ زندگی اس کی گرفت سے باہر نکل گئی ہے۔ اب وہ زندگی کو دوبارہ کس طریقے سے گرفت میں لانا چاہتا ہے۔ زندگی اس کی گرفت سے باہر نکل گئی ہے۔ اب وہ زندگی کو دوبارہ کس طریقے سے گرفت میں لاتا ہے یہ میں نہیں بتاؤں گی۔ جب آپ ان کا افسانہ پڑھیں گے تو ظاہر ہو گا۔ اسی طرح کی تمام کیفیات بلقیس کی نظموں میں بھی موجود ہیں کہ زندگی جو ریت کی طرح ان کی گرفت سے نکلتی چلی جا رہی تھی وہ اسے دوبارہ مٹھی میں لانا چاہتی تھی۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ بہت بڑی کیفیت ہے۔

Marfat.com

# بلقیس محمود سیفی

غضنفر مہدی

اسلام آباد کی ادبی زندگی کی روح رواں ملک کی ممتاز شاعرہ بلقیس محمود سیفی آج ہم میں موجود نہیں ہیں۔ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ان کے حلقہ احباب میں جتنے اہل قلم ہیں وہ بلقیس محمود کو اپنی بڑی بہن یا چھوٹی بہن کا درجہ دیتے تھے۔ بلقیس محمود بھی ہمارے دکھ سکھ میں بطور فیملی ممبر شریک ہوتی تھیں۔ گزشتہ پچیس سال سے اسلام آباد کی جتنی ادبی تقریبات ہوئی ہیں ان میں شاید کوئی ایسی تقریب ہو جس میں بلقیس محمود موجود نہ ہوں یا جتنے ریفرنس دائرہ نے منعقد کئے ہیں ان سب میں ان کی شمولیت نہ ہوئی ہو۔ حلقہ ارباب ذوق کی محافل ہوں یا دائرہ کی' وہ سب میں شریک ہوتی تھیں۔ پھر ان کی انقلابی نظمیں ایک روح پرور منظر پیدا کر دیتی تھیں۔ ان کے میاں جناب محمود اختر کا حوصلہ ہوتا کہ وہ ان نظموں کو برداشت کرتے بعض اوقات تو ان نظموں کو سن کر وہ بھی تھوڑا سا گھبرا جایا کرتے تھے وہ شاعری میں ایک طاقتور آواز کی صورت تھیں۔ ان کی شاعری اور ذات میں منافقت نامی کوئی شے نہیں تھی۔ ان کی وفات اسلام آباد کی ادبی زندگی کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام ملک کے لئے ایک سانحہ ہے اور مجھے افسوس یوں ہے کہ اپنی وفات سے چند روز پہلے جب ان کی کتاب "مجھے بولنے دو" شائع ہوئی تو انہوں نے مجھے ٹیلیفون پر فرمایا "اس کتاب کی تقریب رونمائی ہوگی" میں نے جواب دیا "ہاں ہوگی اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ" اور پھر میں نے کہا "تمہارے میاں نے اجازت دے دی ہے؟" کہنے لگیں "وہ تو آج تک رکلوٹ نہیں بنے۔" درحقیقت محمود اختر اور بلقیس محمود کا جوڑا مثالی جوڑا تھا۔ ایک اچھا شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا انسان ہونا بھی ضروری ہے۔ وہ ایک اچھی ماں اور اچھی بہن تھیں ان کے چھوٹے بھائی جب امریکہ تشریف لے گئے تھے تو وہ ان کی یاد میں روزانہ یا ہر دوسرے روز ایسے کرتیں جیسے وہ اس محفل میں موجود ہیں۔ جب وہ کیمو تھراپی اور اس بیماری کی منزل سے گزریں تو بڑی صبر والی خاتون تھیں۔ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ "آمین"

Marfat.com

# رشتوں کے تقدس کی شاعری

پروفیسر شاہدہ صدیقی

عظیم عمارت ہمیشہ عظیم بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے۔ بنیادی انسانی رشتے کائنات کا عظیم موضوع ہیں۔ اسی لئے اس حوالے سے تخلیق ہونے والی شاعری بھی عظیم شاعری کہلائے گی بشرطیکہ وہ شاعری کے دوسرے بنیادی تقاضے بھی پورے کرتی ہو۔ ان رشتوں میں اولیت ماں کو حاصل ہے۔ اسی لئے اب تک ماں کے حوالے سے جس قدر نظمیں لکھی گئی ہیں کسی اور حوالے سے نہیں لکھی گئیں۔ اردو میں مولانا اسماعیل میرٹھی، علامہ اقبال، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری، احسان دانش، یوسف ظفر اور غلام رسول ازہر کے بعد عارف عبد المتین، طاہر شادانی، وزیر آغا، اعجاز فاروقی، حفیظ صدیقی، صہبا اختر، تاب اسلم، اطہر صدیقی، خاقان خاور، ناہید قاسمی اور اطہر سلیمی کی نظمیں اور زاہدہ صدیقی کی ماں ہی کے حوالے سے شعری مجموعے "دعاؤں کا سائبان" پر محیط نظمیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس موضوع پر بلقیس محمود نے بھی لکھا اور ایک بیٹی کی حیثیت سے اپنے جذبات کو شعری پیرہن عطا کیا۔ "میری ماں" اور "امی کے لئے" بلقیس محمود کی ایسی جذباتی نظمیں ہیں جو اردو شاعری میں قابل قدر اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی نظم میں تخاطب اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے ہے جبکہ دوسری نظم میں براہ راست ماں کو مخاطب کر کے دل کی باتیں کی ہیں جو سچی محبت کی عکاسی کرتی ہیں۔

ماں کے لئے شاعری میں نظموں کی کمی نہیں لیکن خالہ جو ماں ہی کا ایک روپ ہوتی ہے اور جسے ماں کا درجہ حاصل ہے ایسا نظرانداز شدہ موضوع ہے کہ شاید ہی کسی شاعر نے اسے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہو۔ کم از کم میری نظروں سے گزرنے والی بلقیس محمود کی نظم "اپنی خالہ کی موت پر" اپنے موضوع کے حوالے سے پہلی نظم ہے جس میں اس کی بھانجی اسے اسی محبت سے یاد کر رہی ہے جو ایک بیٹی کے دل میں اپنی ماں کے لئے جاگزین ہوتی ہے۔

ماں کے بعد باپ کائنات کا عظیم ترین رشتہ ہے مگر عجیب اتفاق ہے کہ باپ کے حوالے سے بہت کم لکھا گیا ہے حقیقت ہے کہ ہمارے شاعروں نے اس عظیم رشتے

Marfat.com

کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ حمید جالندھری، حفیظ صدیقی اور اطہر صدیقی کی نظموں کے علاوہ اردو شاعری میں اس موضوع پر کوئی نظم تلاش کرنا چاہیں تو شاید ہی کامیابی حاصل ہو۔ بلقیس محمود جو انسانوں رشتوں سے سچی محبت کرتی ہے اس رشتے کو بھی نظر انداز نہیں کر پائی۔ اس کے دل میں جہاں ماں کے لئے بے پایاں محبت کا دریا موجزن ہے وہاں باپ کے لئے بھی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دیتا ہے۔ بلقیس محمود نے اپنی طویل نظم میں باپ کے پیار کی وسعت کو سمندر سے اور بلندی کو آسمانوں سے تشبیہہ دی ہے اور باپ کے دنیا سے اٹھ جانے کو اپنے دنیا سے اٹھ جانے کے برابر قرار دیا ہے۔ نظم ایک سچی محبت کرنے والی بیٹی کے جذبات کی آئینہ داری کرتی ہے اور باپ سے محبت کرنے والے ہر قاری کے جذبات کی عکاس نظر آتی ہے۔

بہن کا رشتہ بھی نہایت مقدس رشتہ ہے۔ بڑی بہن کی شفقت اور چھوٹی بہن کے پیار جیسا جذبہ دنیا میں میسر نہیں آ سکتا۔ ماں باپ کے بعد دنیا میں یکسر بے غرض رشتہ بہن کا ہوتا ہے۔ اردو شاعری میں اس عظیم رشتے کے حوالے سے ایک خلا رہا ہے۔ شاید ہی کسی شاعر نے بہن کی محبت کو موضوع بنایا ہو۔ اس سلسلے میں ہمیں زاہدہ صدیقی کی محبت اور عقیدت کے جذبات میں ڈوبی ہوئی نظم "دوسری ٹھنڈی چھاؤں" کے علاوہ کوئی مثال تلاش کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس صورت حال میں جب بلقیس محمود کی "بہن زرینہ سیفی کے نام"، <زرینہ کے نام دوسرا خط"، <زرینہ مر گئی ہے"" "زرینہ کی یاد میں""، "طاہرہ کے نام"، <چھوٹی گڑیا کے نام" اور "زرینہ مر گئی ہے" زرینہ کی یادمیں" "طاہرہ کے نام" "چھوٹی گڑیا کے نام" اور " زہرہ" جیسی نظمیں ملاحظہ کرتے ہیں تو ان طویل جذباتی نظموں کو پڑھ کر ہمیں ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوتا ہے کہ کس طرح ایک شاعرہ نے اردو شاعری میں موجود ایک خلا کو پر کیا۔ جس طرح اب تک دستیاب شواہد کے مطابق ماں کے موضوع پر زاہدہ صدیقی سے زیادہ کسی نے نہیں کہا اسی طرح بہن کے حوالے سے بلقیس محمود سے زیادہ کہنے کی سعادت کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہ نظمیں کیا ہیں ----- بہن سے محبت کرنے والی ایک بہن نے اپنا دل نکال کر نظموں میں ڈھال دیا ہے جسے اپنی بہن سے محبت کرنے والا ہر قاری ذوق و شوق سے پڑھے گا اور ان میں اپنی محبت کی خوشبو کا رچاؤ محسوس کرے گا۔ بہن بھائی کا رشتہ بھی عجیب رشتہ ہوتا ہے۔ اس رشتے کا عجیب پہلو یہ ہے کہ بہن کی بھائی سے محبت سراسر بے غرض ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ اپنے بھائی

Marfat.com

سے وفا کرتی ہے چاہے بھائی اس کی محبت کا جواب محبت سے نہ دے سکے اور اس سے وفا نہ کر سکے۔ ماں باپ کے بعد بلامبالغہ سچی اور بے غرض محبت بہن کی ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ اس عظیم رشتے کو شاعری کا موضوع نہیں بنایا گیا۔ دستیاب شواہد کی روشنی میں اس موضوع پر اب تک قابل ذکر نظم زاہدہ صدیقی کی "آئینہ در آئینہ" ہے جو بھائی کے لئے بہن کے سچے جذبات کی آئینہ دار ہے۔ اس صورت حال میں جب ہم بلقیس محمود کی اپنے بھائیوں کے لئے بہت سی نظمیں ملاحظہ کرتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ اس نے ایک ایسا قرض چکانے کی کامیاب سعی کی ہے جو شعر کہنے والی بہنوں کے سر پر اب تک موجود رہا۔ اس کی نظموں میں بھائیوں سے محبت کی جو لہر رواں دواں ہے وہ پڑھنے والے ہر بھائی کو اپنے اندر سرایت کرتی محسوس ہو گی اور ہر بہن محسوس کرے گی کہ ان نظموں میں اسی کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس کی یہ انفرادیت اسے اردو شاعری میں منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ "بہن بھائیوں کے نام"، "پپو میرا بھائی ہے"، "پپو کے نام" "اپنے بھائی منصور کے نام"، "امین کے نام" "امین کا فون سن کر" اور "مبادا تم پریشاں ہو" کا مطالعہ قاری کو صرف ایک بہن کی محبت ہی سے آشنا نہیں کرتا بلکہ وہ اسے اس محبت میں اپنا ہم سفر بھی بنا دیتا ہے۔ پڑھنے والا بھائی محسوس کرے گا کہ یہ تو میری ہی بہن کے جذبات ہیں اور پڑھنے والی بہن محسوس کرے گی کہ یہ نظمیں تو اسی کے جذبات کی عکاسی کر رہی ہیں۔ جذبات کی فراوانی اور نظموں کے اندر موجود شعری روانی کے ساتھ ساتھ نظموں کی فکری اور فنی سطح بھی انہیں یادگار نظموں میں شامل کرنے کے لئے کافی ہے۔

بلقیس محمود کی اپنے بھائیوں کے لئے بے غرض محبت اس اعتبار سے اور بھی منفرد ہے کہ بھائیوں سے محبت اسے اپنی بھابیوں کے قریب کر دیتی ہے اور وہ ان سے بھی محبت کرنے لگتی ہے۔ اس نے اس محبت کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے جس نے اسے بھائیوں سے محبت بھری نظمیں لکھ کر اردو شاعری کے دامن کو وسعت دینے کا اعزاز عطا کر دیا ہے۔ "وہی محمود کی بیوی"، "بھابی کے نام"، "چھوٹی بھابی کے نام" جو شاعرہ کی بھابیوں سے محبت کی دلاویز عکاسی کرتی ہیں میرے اس دعوے کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔ ہر ماں کا دل اپنی اولاد سے محبت کا ایسا خزانہ ہوتا ہے جو کبھی زوال آمادہ نہیں ہوتا۔ ماں کی محبت ہر نوع کی غرض سے تہی ہوتی ہے۔ یہ کائنات کا مقدس ترین رشتہ ہے جس کی محبت بھی مقدس ترین ہوتی ہے۔ ماں کے موضوع پر تو بہت

Marfat.com

لکھا گیا ہے اور طرح طرح سے اس سے عقیدت اور محبت کا اظہار کیا گیا ہے جن کا تعلق ماں سے ہے۔ تاہم ماں کے لئے اولاد کے کیا جذبات ہوتے ہیں اسے بہت کم موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ کشور ناہید کی "آہٹیں"، فہمیدہ ریاض کی "آکاس بیل" اور پروین شاکر کی "دوست چڑیوں کے نام کچھ حرف" کے علاوہ ہمیں اس اعتبار سے کوئی قابل ذکر نظم دکھائی نہیں دیتی۔ اس صورت حال میں جب ہم بلقیس محمود کی "ابھی تو ننھیال ہی گئے ہو"، "اداس لمحوں کا زہر" "اتنی جلدی دور نہ جاؤ"، "امریکہ میں کیا بجا ہے؟"، "کہتا ہے مرا لعل"، "انتظار عظیم"، "سورج کے نام "میرے ویران گھر میں"، "سات سمندر" اور "تیری سالگرہ پر" جیسی 43 نظموں پر محیط "میرے چاند" ملاحظہ کرتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے اس قدر کسی نے نہیں لکھا۔ یہ ساری نظمیں ماں کی بیٹے سے سچی محبت کی عکاس اور اس کے جذبات کی آئینہ دار ہیں۔ ان نظموں میں بیٹے سے ماں کی محبت ایک جوالا لکھی کی صورت ابھرتی ہے اور پڑھنے والوں کو جذباتی اعتبار سے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے۔

میری دانست میں بلقیس محمود کی نظمیں ذوق و شوق سے پڑھی جانے والی نظمیں ہیں اور اس کا نام انسانی رشتوں کے حوالے سے لکھنے والی شاعرہ کی حیثیت سے زندہ رہے گا۔

Marfat.com

# مجھے بولنے دو

پروفیسر زیب النساء

جب حبس میں دم گھٹنے لگے' وجود زرد پتے کی طرح لرزنے لگے' دل و دماغ کی دنیا اتھل پتھل ہونے لگے' مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے زبان سوکھنے لگے تو بے اختیار ایک پکار بلند ہوتی ہے "مجھے بولنے دو" اس فریاد اور احتجاج کے برپا ہوتے ہی جہاں آسمان پر بادل گھر کر آ جاتے ہیں' چھما چھم مینہ برسنے لگتا ہے' سوکھی دھرتی جی بھر کر اپنی پیاس بجھاتی ہے وہاں من کی نگری میں بھی طغیانی آ جاتی ہے جو سکوت اور بوجھل پن کو درہم برہم کر کے رکھ دیتی ہے ـــــ "بولنا"، "پر اثر بولنا" اور "بروقت اظہار خیال کرنا" یہ ہنر ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ جس نے حبس میں سانس لینے کا قرینہ جان لیا وہی "بول" سکتا ہے اور دوسروں کو بولنے پر اکسا سکتا ہے ـــــ

"مجھے بولنے دو" بہت سے بے زبانوں کو زبان عطا کرتا ہے' اپنا ہم خیال اور ہم نوا بناتا ہے۔ ایک ایک مصرعہ داستان حیات بیان کرتا' سوتوں کو جگاتا' سکوت میں نقب لگاتا اور سرد جذبوں کو گرمی بخشتا ہے۔ ع

سنا ہے کبھی آدمی کے لبوں سے خدا بولتا ہے

آغاز ایک نادر اور منفرد نعت سے ہوتا ہے۔ شاعرہ نے صدیوں کے تسلسل کو مصرعوں کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ جس دور میں حوا کی بیٹی عزت و ناموس پر کلنک کا ٹیکہ سمجھی جاتی تھی' اس دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات پاک نے عورت کو عزت اور اعلیٰ و ارفع مقام و مرتبہ عطا کیا۔ شاعرہ نے اپنی اس روندی ہوئی ہستی کو نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عطا قرار دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بدولت آج وہ عزت و وقار سے جی سکتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی بدولت آج اس میں اتنی سکت' صلاحیت اور جرات پیدا ہو گئی ہے کہ وہ نعت میں آپ ؐ کو خراج عقیدت پیش کر سکیں۔

اے رسول مکرمؐ!

میرا ذرہ ذرہ ......

تری ذات کا نعت خواں ہے

Marfat.com

کہ ان زندہ تازہ فضاؤں میں یوں
لفظ کہنا
مرے رحمت العالمینؐ!
مجھ کو تیری عطا ہے
مرا دیکھنا
سانس لینا
بھری بزم میں اپنے قدموں پہ آکر
بڑے .... صاف ...... سچے .... کھرے
لفظ کہنا
شہنشاہؐ انصاف!
تیری عطا ہے!

شاعرہ نمود سحر کے لئے تانے بانے بنتی ہے۔ کرنیں گھٹاؤں کے ماتمی لبادے میں ماتم کناں ہیں وہ ان کے ماتمی لباس کو اتار پھینکنے کے لئے سحر کی شبیہہ میں نور بھرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

تو میں سحر کی شبیہہ میں پہلے نور بھر دوں؟
کہ تیرگی سے نجات ہو

تاہم وہ جس افق پر سحر کے رنگ بکھیرنا چاہتی ہیں وہ تو پہلے ہی لہو رنگ ہے

ع سحر کے آفاق پر یہ سرخی بھی شام جیسی ہے؟

چنانچہ وہ "سحر کی شبیہہ" میں آواز کا جادو جگانے کی سعی کرتی ہیں تاکہ تیرگی میں خوابیدہ ساعتیں بیدار ہو جائیں لیکن یہ آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوتی ہے اور شاعرہ "شبیہہ سحر" کو کسی بھی سانچے میں نہیں ڈھال سکتی کہ آواز تو فقط ایک تڑپ ہے اور اس کی کوئی شبیہہ نہیں ہے۔

شاعرہ "سحر" کو حسب دل خواہ پیکر میں نہیں تراش سکتیں تو بے تابانہ کہتی ہیں: "روشنی بند ہے"۔ اس نظم میں شاعرہ تاریکی اور اندھیرے کا جواز تلاش کرتے ہوئے کہتی ہیں:

کالے اعمال ہیں یا سیہ بخت ہیں
کون پہچانے تاریکیاں سخت ہیں

Marfat.com

منصفو کم نظر محتسب سے بچو روشنی بند ہے

لیکن اس تیرگی کو ایک "آواز" اجالے بخش سکتی ہے اور وہ "کن فیکون" ہے۔ گویا انسان اپنے اعمال سے نئی دنیا دریافت کر سکتا ہے اور گم کردہ منزلوں کا رستہ تلاش کر سکتا ہے۔

چنانچہ شاعرہ امید کے دیئے بجھنے نہیں دیتیں۔ دور کشاکش' بے یقینی اور گھٹا ٹوپ تاریکی میں بھی تمناؤں کی شمعیں روشن رکھنے کا ڈھنگ جانتی ہیں۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مایوسی گناہ اور کفر کی علامت ہے' اس لئے وہ اپنے آپ کو یاس کے مہیب اندھیرے میں نہیں بھٹکاتیں —— اگرچہ امید و بیم کے سائے تھوڑی دیر کے لئے انہیں مضمحل کرتے ہیں مگر اگلے ہی لمحے وہ ان اندھیروں کو روشنی میں بدل دینے کے بھرپور اور توانا جذبے سے سرشار ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور مہر درخشاں کے طلوع کی بشارت دیتی ہوئی کہتی ہیں ۔

وہ مہر درخشاں
کہ جس کی خنک روشنی سے منور
طلسمی شعاعیں
میرے گھر کو نور
اور صدیوں سے جلتی ہوئی آرزو کو
اک ایسی تواں بخش ٹھنڈک کی آغوش میں
ڈال دیں گی
جہاں موت کا خوف یا زندگی کی تمنا
یہ رسم تصادم نبھا نہ سکیں گے

نظم "برادرانِ علوم و فن" میں وہ صدیوں کے اس جبر کو بیان کرتی ہیں جس کے شکنجے میں صنف نازک جکڑی ہوئی ہے۔ اب بھی جبکہ صنف نازک کے لئے فضا قدرے ساز گار ہو گئی ہے اور وہ اپنے وجود کی نفی کرنے والوں کے خلاف احتجاج کرنے کے قابل ہو گئی ہے اسے "اپنے ہونے کا احساس" دلانے کے لئے کڑوے گھونٹ پینا پڑتے ہیں اور اپنی متلاطم سوچوں اور شعور و آگہی کو اپنے ہی وجود کی صلیب پر لٹکانا پڑتا ہے اور کہنا پڑتا ہے ——

اے ستم گرو کیا ستم نہیں ہے؟

Marfat.com

کہ خود ہی صیاد خود ہی قاتل اور آپ ہی منصف گرامی ......
سنا ہے تم میں ہر ایک کی ماں عظیم تر ہے
ہر ایک کی بہن غیرتوں کا عظیم پیکر
تو پھر یہ ہم ساری کون ہیں
جن پہ راندگی کے تمام الزام لگ رہے ہیں
یہ کون ہیں جو سلگ رہے ہیں؟

اسی طرح نظم "لڑکیو" میں بھی وہ آنے والے کل سے خوفزدہ ہیں کیونکہ لڑکی خواہ چودہ سو سال قبل کی ہو یا اکیسویں صدی کی باشعور' باعمل اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ــــ اس کے ساتھ کچھ جکڑ بندیاں مختص ہیں جن سے وہ کسی طور آزاد نہیں ہو سکتی ــــ بسا اوقات تو اس کی منفرد سوچیں' کچھ کر گزرنے کا جوش اور کچھ کہنے کی تمنا اس کے لئے لعن طعن کا باعث بن جاتی ہیں اور وہ اپنے احساس ہی کی بھٹی میں جل کر خاکستر ہو جاتی ہے۔

زندہ سوچ اور احساس والی لڑکیو! دیکھو!
کہ بت خانوں میں رکھی دیویاں
خاموش بیٹھی ہیں
کہ سرکش حسن
پت جھڑ کے غضب کے تیر کھاتا ہے
لرز کر پھڑپھڑا کر نیچے آتا ہے
میں تم کو کیسے سمجھاؤں
یہ دنیا غیر محرم ہے
اور اپنی آپ محرم بن کے
اپنی آرزو کو
حادثوں کا کفن پہنا کر
کہیں مقتول لفظوں کے سرہانے
نوحہ گر احساس کا کتبہ لگا کر
دفن کر دو

۴ ۔ تمہاری کل سے

Marfat.com

مستقبل سے
افسردہ سی ہوں

"بہنوں کے نام" نظم میں وہ جس سچائی کا پردہ چاک کرتی نظر آتی ہیں وہ اتنی کڑوی ہے کہ ہر بہن اس کی تلخی کو اپنے حلق میں اترتا محسوس کرتی ہے۔۔۔ خونی رشتوں میں دراڑیں نہیں پڑنی چاہئیں کہ یہ خود ساختہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا نزول آسمانوں سے ہوتا ہے مگر زمانے کا چال چلن اتنا بدل گیا ہے کہ اب ان رشتوں کی خالص صورت محض مثال بن کر رہ گئی ہے اور ظاہر ہے مثال کوئی ایک آدھ ہی ہوتی ہے۔

زمانے بھر کی بہنوں سے
فقط اتنا ہی کہنا ہے
کبھی بھائیوں پہ زیادہ زعم نہ کرنا
کبھی بھائیوں پہ اتنا مان نہ کرنا
کہ جب جب مان ٹوٹے ٹوٹتی جائیں
خود اپنی زندگی سے چھوٹتی جائیں
کہ بھائی تو ...... فقط
ماں باپ کی دہلیز کے اندر ہی ہوتے ہیں
یہ رشتے باپ کی چوکھٹ سے باہر ٹوٹ جاتے ہیں

"بہنوں کے نام" نصیحت آمیز پیغام دینے والی شاعرہ، بھائی کی محبت میں چور چور ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم جن اٹوٹ بندھنوں میں بندھے ہوئے ہیں وہ خواہ زمانے کی گرد سے دھندلا ہی کیوں نہ جائیں ان کی کسک، تڑپ اور چاہت جوں کی توں رہتی ہے۔ نظم "مرا بچھڑا ہوا بھائی ......" اسی بھائی کی تلاش کی کہانی ہے جو شہر بے اماں میں کہیں کھو گیا ہے۔ پھر نظم "پپو کے نام" میں بھی وہ بہنوں کے اسی مان کا ذکر کرتی ہیں جو بہنوں کو بھائیوں کی ذات سے ہوتا ہے اور مان کے ٹوٹنے کے باوجود وہ بھائی کی سلامتی کے لئے دعا گو رہتی ہیں:

بھیا تیری حویلی سلامت رہے
تیرے گھر میں محبت بھری زندگی ہنستی گاتی ہوئی
تاقیامت رہے

Marfat.com

میری دیوار پر
اب کبھی کوئی کوا نہیں بولتا

"سپو کے نام" ایک اور نظم میں وہ ایک ایسی بہن کی خواہشات کا ذکر کرتی ہیں جو حسرتوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ اس کا بھائی عید پر اس کی کمی محسوس کرے، اسے پیار بھرے خط لکھے، بچپن کی سہانی باتیں یاد کرائے، مگر وہ مصروفیت کے آسیب کا شکار ہو چکا ہے:

اتنی فرصت نہ اگر ہو کہ یہ سب کچھ لکھو
ڈاک کا فون کے کٹنے کا بہانہ لکھنا
مرے بھائی تو مجھے عید بلاوا لکھنا

شاعرہ خوابوں کی دنیا میں نہ خود رہتی ہیں اور نہ قاری کو لے جاتی ہیں۔ انہوں نے روزمرہ زندگی کے اتار چڑھاؤ کو اپنی نظموں کا نہایت خوبصورتی سے موضوع بنایا ہے۔ یہ موضوعات جتنے عام فہم ہوتے ہیں، انہیں خوبصورتی سے بیان کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ بلقیس محمود کا کمال ہے کہ وہ ایک عام بات کو خاص بنا کر پیش کر دیتی ہیں مثلاً" نظم "بل" میں کہتی ہیں:

مری جاں
یہ کبھی سوچا نہ تھا میں نے
کہ بجلی گیس اور پانی کے بل بھی
میرے تیرے درمیاں
یوں آئیں گے

..........

وہ کیا تھے خواب
جو میں دیکھتی تھی
تم دکھاتے تھے
یہ اگلے دن ہی
کس نے ایسے خوابوں سے جگایا
اذیت، کرب، اندیشے
یہ آخر کس کی تعبیریں ہیں

Marfat.com

کوئی خواب آور گولیاں لاؤ
کہ میں پھر سے
انہی خوابوں میں کھونا چاہتی ہوں
اب اس کے بعد
ساری عمر سونا چاہتی ہوں

"شوگر کی مریضہ" یہ عنوان بظاہر شاعرانہ نہیں ہے لیکن نظم کے تانے بانے میں جس طرح بھرپور انداز میں جذبات کی آمیزش کی گئی ہے اس سے عنوان کا غیر شاعرانہ پن پس پشت چلا جاتا ہے۔ "شوگر کی مریضہ" ہمارے اردگرد کا کردار بن جاتی ہے اور ہم اس سے ملتے جلتے، بات چیت کرتے اور اس کے دکھ میں برابر کے شریک ہو جاتے ہیں:

موت میرے تن بدن کو کھا رہی ہے
یہ میری زندگی کا میٹھا خون پی کر
بدن کو ریت کا بت سا بنائے جا رہی ہے
سکت ....... طاقت ..... توانائی
سبھی مجھ سے جدا ہونے لگے ہیں
میں وحشت میں پریشاں جسم لے کر بھاگتی ہوں
میں مرنے سے بکھر جانے سے ڈرتی ہوں
مگر پھر بھی
ہر اک لمحے میں کتنی بار مرتی ہوں

نظم "مجھے نہ جگانا" میں وہ زندگی اور موت کی اسی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

آویزاں سر دار بھی ہوں جی بھی رہی ہوں
ہر سانس کسی موت اذیت سے لڑی ہوں

"یا رب الفلق" میں شاعرہ سیہ رات کی سیہ بختیوں سے پناہ مانگتی ہے۔ ان کا یہی خوف نظم "مجھے یہ لگتا ہے" میں ایک بار پھر سر ابھارتا نظر آتا ہے۔ انہیں گرد و پیش میں سکون محال اور اضطراب کی حکمرانی محسوس ہوتی ہے۔ دراصل دور حاضر کا انسان ذہنی اضطراب اور بے سکونی کا شکار ہو کر بکھر کر رہ گیا ہے اور یہی بکھراؤ اسے اپنے اردگرد بھی محسوس ہوتا ہے:

Marfat.com

آسمان ٹوٹنے کو ہے
اور چاند سورج ستارے
تاریکیوں کی چاہت لئے
زمینوں پہ آ رہے ہیں

شاعرہ کی آنکھ سے بہنے والے آنسو روایتی اور دکھاوے کے نہیں بلکہ وہ "سرخ آنسو" ہیں۔ یہ آنکھوں سے اسی وقت بہتے ہیں جب دل و جگر کا خون ہو جائے۔ شاعرہ کا غم انفرادی نہیں اور دل و جگر کی خوں آشامی معمولی نہیں بلکہ یہ تو وطن عزیز کے ذرے ذرے کو تاب و توانائی بخشنے کے صلے میں عطا ہوئی ہے۔ کہتی ہیں:

میں دشت کرب و بلا میں زندہ ہوں
ہاں مگر...... نوحہ گر نہیں ہوں
یہ آرزو ہے
جو سرخ آنسو رگوں کے اندر سلگ رہے ہیں
جو سرخ آنسو نفس میں سسک رہے ہیں
انہی کی سرخی سے
کل کے اخبار پر وہ شہ سرخیاں سجا دوں
کہ جن کے پڑھنے کو
میری دھرتی کا ذرہ ذرہ
سراپا بینائی بن گیا ہے

نظم "اٹھو ......!" میں جہاں پیغام عمل کی گونج سنائی دیتی ہے وہیں احساس زیاں کی دبی دبی آواز بھی احتساب کی طرف مائل کرتی ہے۔ نظم میں کہیں تو وہ ملک کی وحدت کو بچانے پر اکساتی ہیں تو کہیں اس فردوس کو اپنوں سے بھی بچانے کی تلقین کرتی ہیں:

ع غیروں سے جو چھینا ہے تو اپنوں سے بچا لو

وطن عزیز کی فضاؤں میں جب کرگس و زاغ منڈلانے لگتے ہیں تو وہ سہمے ہوئے لہجے میں پوچھتی ہیں:

کیوں سہمے ہوئے دن ہیں پریشان سی راتیں
کیوں چاروں طرف محو اشارا ہوئیں گھاتیں

ایسے میں وہ ملت کی خزاں کو بہار میں تبدیل کرنے کے لئے پکار اٹھتی ہیں

Marfat.com

ع ملت کی بہاروں کے لئے تازہ لہو دو

اضطراب بڑھ جاتا ہے تو نظم "ترے شہر آؤں" میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ اضطراب فرد واحد کا نہیں بلکہ پورے ماحول کا ہے' جس کی فضائیں سہمی سہمی اور آشیانے لٹے لٹے سے ہیں:

یہ جی چاہتا ہے
سسکتی ہوئی فاختہ کو بچانے
میں زیتون کی شاخ لے کر
ترے شہر آؤں

گیارہ ستمبر 1985ء' چودہ اگست کا تحفہ' اذان آزادی' وصیت' یوم پاکستان' علم اٹھاؤ (فلسطینی پس منظر)' کشمیری مجاہدوں کے نام' اے قوم کشمیر تو امر ہے' محض ہنگامی قسم کی نظمیں نہیں حب الوطنی کی تپش مصرعوں میں ڈھلتی ہے تو پڑھنے والے بھی اسے اپنے رگ و پے میں اترتا محسوس کرتے ہیں:

جب آئے یوم آزادی
مرے بچو!
فقط یہ یاد رکھنا
یہ قومی لمحہ بڑی مشکل سے آیا تھا
کہ برسوں شعلہ شعلہ دل جلے تھے
ذہن تڑپے تھے
تو ہم خونی سمندر پار کر کے
حمیت' غیرت و سطوت کے
اونچے آسماں رفعت پہاڑوں کو
جلی دھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح
اڑتے بکھرتے چھوڑے آئے تھے

"آج کا اخبار" بھی محض اخباری قسم کی نظم نہیں ہے کہ دن بیت گیا تو اخبار پرانا ہو گیا اور خبریں بوسیدہ ہو گئیں۔ یہ نظم تازہ اخبار کی طرح تر و تازہ ہے کیونکہ شاعرہ نے اپنے احساسات و جذبات اور باطنی کیفیات کو جس ماہرانہ اور فنکارانہ انداز میں بیان کیا ہے وہ غیر فانی ہے۔

Marfat.com

تم مجھے آج کا اخبار نہ دو
میں اگر آج کی خبروں میں الجھ جاؤں گی
دیدہ و دل کسی گرداب میں پھنس جائیں گے
ابر سے لفظ برس جائیں گے بینائی پر
دل کی آنکھوں میں سمندر سے اُمڈ آئیں گے
زندگی ریت کی مانند بکھر جائے گی
سوچ میں خون کے سیلاب سے بھر جائیں گے

"پتھر" ایسی نظم ہے جسے پڑھ کر پتھر دل بھی پانی پانی ہو جائیں۔ شاعرہ جیل کی چھت اور چار دیواری میں چنے جانے والے پتھر سے مخاطب ہیں کہ وہ کرب کی شدت کو نجانے کیسے سہہ لیتا ہے۔

مجھے دکھاؤ
کوئی وہ پتھر
وہی چٹانیں
کہ جو ساہلہ کی جیل کی
ایسی چھت بنے ہیں
کہ جس نے اس گہرے کرب کو قید کر لیا ہے
کہ جس کی شدت کی وسعتوں سے
کوئی ہمالہ بھی ٹوٹ جاتا
قراقرم پاش پاش ہوتا
یہ اتنا گھمبیر دکھ اٹھائے
پہاڑ میں اتنی جان کب تھی!

زندگی اپنے ہونے کا خراج وصول کرتی ہے' زندگی کے استحکام و دوام کے لیے تشنہ لبی اور آبلہ پائی خاطر میں لائے بنا سفر جاری رکھنا پڑتا ہے۔ جب جب تمناؤں کا خون ہوتا ہے' آبلوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یوں آبلوں کو نوک سوزن سے پھوڑ کر ہی ہستی کی بقا کا سامان کیا جا سکتا ہے:

آبلے پھٹنے لگے
راستے ملتے ہی نہیں

Marfat.com

میں کہاں جاؤں تمناؤں کے انبار لیے
میرے شانے ہیں کہ ٹوٹیں بھی تو جھکتے ہی نہیں
کیسے گر جاؤں یہ احساس گر انبار لیے
اب تو اندر کے سمندر میں بھی طغیانی ہے
ایک گرداب میں سرگرداں ہے سوچوں کا وجود
ایک طوفان بلا خیز ہے دل کے اندر
دل کے بھر آنے سے بے دل سی ہوئی جاتی ہوں
ایک تخریب سی برپا ہے بہت اندر تک
اپنے باہر کو بچاؤں کیسے
میں تو اندر سے بھی باہر کے لیے زندہ تھی
آج کو تج کے کسی کل کے لیے زندہ تھی
آج اس کل کو بچاؤں کیسے

قوت گویائی اور اس کا موثر اظہار ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ شاعر کے اظہار کا وسیلہ اس کی تحریر ہے' اس کا قلم ہے اگر یہ قلم چھن جائے تو بسا اوقات خون دل میں انگلیاں ڈبو کر مافی الضمیر بیان کرنا پڑتا ہے۔ بر حال اظہار کی طاقت کو کوئی سیل تندخو نہیں روک سکتا کہ طبیعت کی روانی اور جولانی میں یہ رکاوٹ مہمیز کا کام کرتی ہے:

مجھے میرا قلم دے دو
وگرنہ سلوٹوں میں ذہن کی
سوچیں الجھ کر
بے نوا لفظوں کی چیخیں
میرے سر میں قید کر دیں گی
تڑپ کر اپنا سر ٹکراؤں گی
تو خون کے دھاروں میں
آنکھیں ڈوب جائیں گی
زمانے بھر کی ساری روشنی سے
روٹھ جائیں گی

آگہی سب سے بڑا عذاب اور بے خبری ایک نعمت ہے۔ نہ جاننا' جاننے سے بہتر

Marfat.com

ہے۔ حقائق مستور رہیں تو دکھ بھی کم ہوتے ہیں' پردہ اٹھ جائے تو جان پہچان کے عذاب دامن گیر ہو جاتے ہیں۔ لیکن سیماب صفت انسان ان دیکھی دنیا پر کیوں کر قانع رہ سکتا ہے' اس کے اندر کا انسان جو ہر دم کچھ کر گزرنے پر آمادہ رہتا ہے اسے حقائق سے روشناس کرا کر ہی دم لیتا ہے۔ یہی آگہی کا زہر جب رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے تو انسان ایک لمحے کے لیے سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کاش وہ بے خبر رہتا تو کتنا اچھا ہوتا:

غم آرزو تجھے کیا خبر
مری عمر بھر کی مسافرت میں عذاب کتنے شدید تھے
کبھی دن گزرنے کی دہشتیں
کبھی جاں سے جانے کا خوف تھا
کبھی جاتے لمحوں کی بے بسی
کبھی آتے لمحوں کا خوف تھا
کبھی مخمصے
کبھی وسوسے
کبھی کرب کرب خیال تھے
کبھی سوچنے کے عذاب تھے
کبھی دیکھنے کے وبال تھے
یہ نفس نفس کی اذیتیں
میں کسے کہوں
میں کسے لکھوں

"شوہر کی ریٹائرمنٹ" نہایت خوب صورت اور دل آویز نظم ہے۔ نظم میں بیوی کی جذباتی کیفیت کے ساتھ ساتھ شوہر کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو بھی دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ یہ نظم اجتماعیت کا رنگ لیے ہوئے ہے جس میں ہر بیوی' ریٹائرڈ شوہر کے جذبات کا عکس بخوبی دیکھ سکتی ہے:---

خدا کا شکر ہے دفتر سے آخر گھر تو آئے ہو
بلا سے سارا تازہ خون دے آئے ہو دفتر کو
توانائی' سکت' طاقت' لٹا کر آئے ہو گھر کو

Marfat.com

ہزاروں فائلیں بھر بھر کے خالی ہاتھ تو لائے
تشکر ہے بڑھاپے میں نبھانے ساتھ تو آئے

نظم "یونہی" محض یونہی نہیں، بلکہ صداقتوں اور تلخ حقائق کی پٹاری ہے۔ انسان اشیاء کو اپنے مزاج کے مطابق پسند و ناپسند کرتا اور اشخاص کو جانچتا پرکھتا ہے۔ اور دوسروں کی آرا کو کم ہی تسلیم کرتا ہے تاہم جب جذبات کے جوش پر ہوش کے چھینٹے پڑنے لگتے ہیں تو اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ جسے چاہ رہا تھا وہ کوئی اور نہیں محض اس کا تخیل ہے جسے اس نے من پسند رنگ عطا کر کے خود کو اس کا پجاری بنا لیا ہے:

میں نے یونہی تمہیں معبود بنا رکھا تھا
ورنہ وہ بات جو مائل بہ پرستش کر دے
سوچتی ہوں کہ وہ تم میں کبھی موجود نہ تھی
تیری تصویر میں کچھ رنگ بھرے تھے میں نے
میں تو دراصل انہی رنگوں کی شیدائی تھی
میری سوچوں نے جسے خود ہی تراشا تھا کبھی
میں تو اس بت کی پرستش پر اتر آئی تھی

بلقیس محمود کی بیشتر نظمیں معنوی تسلسل کی حامل ہیں۔ غالباً" شاعرہ اپنے مافی الضمیر کو مختلف نظموں میں ڈھالنا چاہتی ہے اسی لئے نظموں میں جہاں تہاں ایک سے موضوع کی آہٹیں سنائی دیتی ہیں مثلاً": "نقیبان سحر"، "شبیہہ سحر"، "روشنی بند ہے"" "دستور" وغیرہ میں کم و بیش ایک سا خیال باندھا گیا ہے۔ اسی طرح "برادران علوم و فن" اور "لڑکیو" میں معنوی ہم آہنگی ہے۔۔۔ "شہر خوباں" اور "پلٹتے قدم" میں اور "یونہی" اور "جان جاں" میں معنوی ربط ہے ۔۔۔۔

نظموں کے عنوانات بھاری بھرکم اور مسجع و مقفیٰ نہیں لیکن خیالات گھمبیر، فلسفہ عمیق اور جذبات لطیف ہیں، جیسے: تم ذرا، یونہی، عجب ہے، لوگو!، آؤ، ڈرو، وہ پتھر، پھر یوں ہوا، خبرنامہ وغیرہ ۔۔۔ بیشتر تراکیب، تشبیہات اور استعارات ہر نظم میں جلوہ گر ہیں مثلاً": "تیرگی"، "سحر"، "رات"، "روشنی"، "شب دیجور"، "آواز"، "رات"، "نور"، "شام" وغیرہ

مضمون کی طوالت کے خوف سے بہت سی نظمیں تبصرے سے محروم رہ گئیں، کیونکہ ہر نظم بلا مبالغہ ایک مفصل مضمون کی متقاضی ہے۔۔۔ ہر نظم سرسری نہیں

Marfat.com

بلکہ دل و دماغ کی کامل یکسوئی سے مطالعے پر مجبور کر دیتی ہے ـــــ ایک ایک مصرعے پر دل باندھنے کو جی چاہتا ہے۔ عمومی موضوعات کو خصوصیت کے سانچے میں ڈھالنے کا فن بلقیس محمود ہی جان سکی ہیں۔ روانی، تسلسل اور تاثیر ان کی شاعری کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

Marfat.com

# میری استاد' میری دوست...... بلقیس محمود

## فرزانہ فاروق فیروز خان

بلقیس سیفی سے میرا منفرد سا رشتہ تھا۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ۔ انہوں نے مجھے لاہور کالج میں پڑھایا اور پھر ان سے سب سے زیادہ دوستی کا ناطہ قائم ہوگیا۔ اس پر مجھے بہت فخر ہے۔ میں ان کی دوستی کو اپنے لئے اپنی زندگی کا بہت قیمتی سرمایہ سمجھتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ صرف ایک انسان کے ناطے سے میں ان کی بات کروں۔ وہ ایک خوبصورت انسان تھیں۔ ان کے پاس وہ دل تھا جس میں اتنے جذبے موجزن تھے' جذبات اور شدت سے بھرا ہوا دل۔ اس میں جو چیز بدرجہ اتم موجود تھی وہ ان کی محبت تھی' انسانیت کے لئے محبت۔ ان کے شاگرد ان سے محبت کرتے تھے ان کے ملنے جلنے والے محبت کرتے تھے۔ وہ محبت کے رشتے میں لوگوں کو قریب لے آتی تھیں' جکڑ لیتی تھیں۔ یہاں پر بھی انہوں نے بہت سے ایسے اقدام کئے کہ جس سے صرف لاہور کالج ایسوسی ایشن کے رشتے سے لوگ قریب آجائیں۔ ان کے ہم پر بہت احسانات ہیں۔ سوچتی ہوں ان کے بارے میں زیادہ نہ لکھوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنے الفاظ لکھ کے ان کے بارے میں اپنے ان جذبات کو مرجانے دوں جو ان کے لئے میرے دل میں ہیں۔ میں اپنے الفاظ کو قارئین کے سامنے پیش کر کے وہ قرض چکا دوں اور بس۔ بہت قرض ہے ان کا میری زندگی پہ۔ انہوں نے مجھے بہت کچھ سکھایا ان کی یاد دل میں تادم آخر تازہ رہے گی۔ میں سوچتی ہوں کہ میں اپنے الفاظ کو اپنے اندر بند کرلوں اور بلقیس محمود کی یاد کو اپنے اندر سمیٹ کر رکھ لوں اور اگر میں نے کوئی قرض چکانا ہے تو میں تاحیات انہیں یاد کرتی رہوں۔ ان کی شاعری کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ نہ صرف یہ کہ رسمی طور پر میں بڑے بڑے لفظوں میں بلقیس کو یاد کروں اور کل بھول جاؤں تو یہ میری بدنصیبی ہوگی۔ بلقیس ایک خوبصورت شاعرہ تھیں اور خوبصورت انسان تھیں۔ ان کے جتنے دوست اور شاگرد ہیں اور وہ جہاں جہاں دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں سب نے مجھ سے ان کی تعزیت کی۔ مجھے اس پر بہت رنج تھا کہ میں یہاں نہیں تھی اور وہ چلی گئیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ لیکن ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی۔

Marfat.com

# اردو شاعری کا عجائب گھر

محمد جنید اکرم

نادر اور نایاب اشیاء جو ہماری معاشرت کا حصہ تھیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جگہ جدید اشیاء نے لے لی اور وہ بالآخر عجائب گھر کا حصہ بن گئیں۔ ہم اور ہماری آئندہ نسلوں کے نمائندے ذوق و شوق اور عالم حیرت میں انہیں عجائب گھر میں جا کر دیکھتے ہیں کہ کبھی یہ اشیاء ہمارے معاشرے کا حصہ تھیں جو لوگ نادر اور نایاب اشیاء میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں وہ عجائب گھر کی انتظامیہ سے درخواست کر کے اپنے ساتھ ایک Guide (راہبر) لے لیتے ہیں تاکہ ہر ایک چیز کے بارے میں انہیں مفصل معلوم ہو سکے۔

آیئے میں یہاں آپ کے ہم راہ Guide کی حیثیت سے چلتا ہوا آپ کو اردو شاعری کے اس عجائب گھر کی سیر کرواتا ہوں۔ سب سے پہلے تو اس عجائب گھر کی خالق کا شخصی تعارف ہو جائے تو جناب اس کا نام "بلقیس محمود" ہے۔ اب آپ ذرا ان کی اپنی زبان سے ان کی شخصیت کے بارے میں کچھ باتیں سن لیجئے۔ اپنے بارے میں فرماتی ہیں ۔

"وہ" جذباتی بہت ہے
ایک لمحے میں بکھرتی ہے
اسے تو
چلتے چلتے بہتے دریا کے
معاً" رک جانے کا
مختصر تصور توڑ دیتا ہے
وہ پاگل
تتلیوں کے، جگنوؤں کے دیس
جانے کے
امر نغمے کو سن کر رونے لگتی ہے
جسے بابا فرید اور بلھے شاہ کی کافیاں بھی

Marfat.com

قتل کرتی ہیں

...........

محبت میں
انا کے امتحانوں میں
ہمیشہ فیل ہوتی ہے
کہ اس کے دل میں
روٹھے رہ کے جی لینے کا
عنصر ہی نہیں ہے
وجود اس کا
فقط اک آبگینہ ہے
اسے لے کر
محبت کے نگر میں جب نکلتی ہے
تو چوراہوں پہ
بچے
پگلی پگلی کہہ کے پتھر مارتے ہیں
وہ سمٹتی ہے
بکھرتی ہے
سنبھلتی ہے
پلٹ کر چیخ کے فریاد کرتی ہے
مجھے میری محبت سے نہ توڑو
مجھے میری محبت سے نہ توڑو

ایک لمحے میں بکھر جانے والی بہت جذباتی خاتون جسے چلتے چلتے بہتے دریا کے معا" رک جانے کا محشر تصور توڑ کر رکھ دے' وہ جو تتلیوں کے جگنوؤں کے دیس جانے کے امر نغمے سن کر رونے لگے' وہ جسے بابا فرید اور بلھے شاہ کی کافیاں قتل کرنا شروع کر دیں اور وہ جو محبت اور انا کے امتحانوں میں ہمیشہ فیل ہو جائے اور وہ جس کے دل میں روٹھ کر زندہ رہ جانے کا عنصر ہی نہ ہو اور وہ جس کا وجود ایک آبگینے کی مانند ہو اور وہ جب اپنے آپ کو لے کر محبت کے نگر میں نکل کھڑی ہو تو چوراہوں پر بچے اس کو

Marfat.com

پگلی پگلی کہہ کر پتھر مارنے لگیں وہ جو کبھی بکھر جائے کبھی سمٹ جائے اور پھر بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالے اور پھر پلٹ کر چیخ چیخ کر صرف ایک ہی فریاد کرتی رہے کہ "مجھے میری محبت سے نہ مارو"، "مجھے میری محبت سے نہ مارو"، "مجھے میری محبت سے نہ مارو"..........

ایسی شخصیت آج کے دور میں ہماری معاشرت میں نادر اور نایاب ہے کہ نہیں؟
سائنسی دور میں محبت کی متلاشی' محبت سے جنون کی حد تک محبت کرنے والی' محبت کی بھوکی خود کہتی ہے۔

یہ محبت کی کرب ناک سی بھوک
میرے تن من میں بس گئی جیسے

ہر گھڑی چاہتوں کی پیاسی ہوں
چاہتوں کو ترس گئی جیسے

محبت' محبت' محبت' صرف ایک ہی لفظ کی پکارن ہے۔ محبت جس دل میں اس قدر رچ بس جائے تو وہ وجود سراپا محبت بن جاتا ہے اور پھر اسے کشکول ہاتھ میں لے کر گھر گھر سے محبت کی بھیک مانگنا عجیب محسوس نہیں ہوتا۔

مانگتی ہوں محبتیں سب سے
اک بھکارن سی بن گئی ہوں میں

بلقیس محمود کی محبت میں خلوص ہے۔ ویسے میں اپنے اس جملے پر خود حیران ہوں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ "محبت میں خلوص ہے" میں سمجھتا ہوں کہ محبت اگر ہوتی ہے تو ہوتی ہے اگر نہیں ہوتی تو نہیں ہوتی۔ "یہ سچی محبت" اور "جھوٹی محبت" والی بات سے مجھے اختلاف ہے۔ گویا ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ بلقیس محمود کے ہاں محبت ہی محبت ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کے ہاں محبت کی وہ قسم بالکل نظر نہیں آتی جسے غالب نے ایک جگہ یوں بیان کیا ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

بلقیس محمود کے ہاں محبت کا دائرہ بنی نوع انسان تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کرہ ارض پر موجود ہر جاندار بالخصوص "انسان" جہاں جہاں بھی بس رہے ہیں وہ سب کے سب

Marfat.com

ان کے محبت کے دائرہ میں شامل ہیں۔ محبت کا درس دیتے ہوئے انہوں نے کسی مخصوص طبقے کو مخاطب نہیں کیا بلکہ پوری انسانیت کو مخاطب کر کے کہتی ہیں۔ ع

محبتوں سے ہمیشہ ملا کرو لوگو

یہاں ایک بات بہت دلچسپ ہے وہ یہ کہ بلقیس محمود نے اپنی زیادہ تر نظموں کے عنوانات میں جنہیں مخاطب کیا ہے وہ ان کے ماں جائے بھائی بہن اور یا پھر بہت قریبی دوست عزیز اور رشتہ دار ہیں۔ ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے ان کی نظموں کے موضوعات ملاحظہ کیجئے۔ "بھائیوں کے نام"، "بھائی بہنوں کے نام"، "میری ماں"، "امی کے لئے"، "اپنی بہن زرینہ سیفی کے لئے"، "زرینہ کے نام دوسرا خط"، "میرے ابا جی"، "زرینہ مر گئی"، "زرینہ کی یاد میں"، "طاہرہ کے نام"، "بھائی کی بیماری پر"، "منصور کے نام"، "امین کے نام"، "اپنی خالہ کی موت پر"، "رفعت کے نام"، "بھائی کے نام"، "چھوٹی بھابی کے نام"، "گڑیا کے نام"، "زہرہ کے نام"، "زہرہ"، "پپو کے نام"، "پھر عید گئی"، "امین کا فون سن کر"، "میرے سندیسے"، "عید سندیسہ" "امین کے نام میرا آخری خط"، "ارشاو - ایک نوحہ"، "انتساب"، "کتبہ"، "منصور کی شادی کی سالگرہ پر"، "منصور کے بچوں کے لئے"، "منصور کے لئے"، "بہنوں کے نام"، "میرا بچھڑا ہوا بھائی"، "پپو کے نام"، "پپو کے نام"، "شوہر کی ریٹائرمنٹ۔

یہاں میں نے سینتیس (37) نظموں کے عنوانات تحریر کئے ہیں اور یہ صرف ان کے دو شعری مجموعوں "مجھے بولنے دو" اور "سائبان شیشے کا" میں موجود ہیں۔ ان تمام نظموں کے موضوعات ان کے ماں باپ اور ماں جائے ہیں۔ گھریلو اور خاندانی رشتوں کے لئے اس قدر زیادہ تعداد میں شاعری اس سے پہلے شاید ہی کسی شاعر نے کی ہو۔

مندرجہ بالا عنوانات کے تحت کہی جانے والی نظموں سے ہم ہرگز یہ بات طے نہیں کرسکتے کہ ان کی شاعری صرف اور صرف اپنے سگے رشتے داروں تک محدود ہے۔ آپ اگر اس شاعرہ کے افکار کا مطالعہ کریں تو آپ کو واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ایسے عنوانات کے تحت جو باتیں کی ہیں وہ ساری معاشرت کے گرد گھوم رہی ہیں۔ بھائی، بہن، باپ، ماں، بھابی، بچے یہ تو بین الاقوامی رشتے ہیں جو ہر گھر میں موجود ہیں۔ پھر انہیں محدود تو نہیں کیا جاسکتا۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے اپنے لے پالک بیٹے عارف کی موت پر جو مرثیہ کہا تھا اس کا ایک شعر اس طرح ہے ۔

Marfat.com

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

بلقیس محمود نے اپنے ابا جی کی وفات پر جو مرثیہ کہا اس کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے۔

یہ کیسا حشر برپا ہوگیا ماں باپ کے گھر میں
اب اس سے اور زیادہ کیا نظر آئے گا محشر میں

اور پھر اپنے والد گرامی کی وفات کے سال کو "عام الحزن" قرار دے کر کس قدر خوب صورت تلمیح کا استعمال کیا ہے۔

یہ عام الحزن ہے میں کیا نبی ﷺ کے گھر پہ آیا تھا
غنیمت ہے کہ کل تک شفقتوں کا ہم پہ سایا تھا

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ادب عالیہ دکھوں کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ آج سے تقریباً" دس بارہ برس قبل شدید دکھ اور کرب کی ساعتوں میں میرے ہم راز بابر جاوید ڈار (ایڈووکیٹ) نے مجھے فون پر یہ جملہ کہا "میں تمہارے دکھ میں برابر کا شریک ہوں مگر خوش اس لئے ہوں کہ اب تمہاری قلم سے ادب تخلیق ہوگا اور تمہاری تحریر میں نکھار پیدا ہوگا"۔ میرے پیر و مرشد بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر رقمطراز ہیں کہ پندرہ برس کی عمر میں جب میرے والد گرامی انتقال فرما گئے تو میرے دکھی جذبات ایک مرثیے کی صورت میں ظاہر ہوئے اس مرثیے کا اولین شعر اس طرح ہے۔

دل دی وسدی بستی اجاڑ میری واہی آپ نیں کتے سدھار چلے
رونا دے کے میریاں اکھیاں نوں لے کے دل دا صبر قرار چلے

پندرہ برس کی معصوم عمر میں اپنے دکھ کا اظہار کیا خوبصورت شعر کی صورت میں کیا۔ خدائے سخن میر تقی میر نے بھی تو کہا تھا۔

ہم بہت رنج و الم سہتے ہیں
تب کہیں جا کے غزل کہتے ہیں

اب دیکھئے بلقیس محمود نے اپنے ابا جی کی وفات پر کہے گئے شعروں میں کیا خوبصورت انداز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔

کہ میں اور لفظ کاغذ پر گلے مل مل کے روتے ہیں
تڑپ کے ریزہ ریزہ دل ہو تب اشعار ہوتے ہیں

شاعر کے دکھوں اور ریزہ ریزہ ہونے کے عمل کو جس طرح قلم کی آنکھ دیکھتی ہے

Marfat.com

ویسے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر کے دکھ لوح و قلم کے دکھ اور غم بن جاتے ہیں گویا
ے

فقط لوح و قلم میں ہمتیں ہیں غم اٹھانے کی
لہو میں ڈوب کر غم پاش تحریریں بنانے کی

درحقیقت بلقیس محمود نے محبت کے تمام تر جذبات کو خونی رشتوں کی صورت میں ہی دیکھا ہے۔ آج کے دور میں محبت کے جذبات ناپید ہو چکے ہیں۔ عام روایت ہے کہ "خون سفید ہو چکے ہیں" کوئی کسی کا نہیں بنتا۔ وہ بہن ہے بڑی بہن' اپنے بھائیوں کی بڑی بہن' اپنی بہنوں کی بڑی بہن اور اپنی ماں کی بڑی بیٹی بھی اور سہیلی بھی۔ میرے علم کے مطابق بلقیس محمود سے بڑی بھی ان کی ایک بہن ہیں مگر شاعرہ کے انداز شاعری اور شخصیت نے انہیں اس قدر عمر رسیدہ بنا رکھا ہے کہ وہ سب سے بزرگ معلوم ہوتی ہیں۔

بیٹیوں کو ماں باپ کا گھر چھوڑنا پڑتا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس سے مشکل اور کٹھن مرحلہ زندگی میں اور کوئی نہیں ہو سکتا جب بیٹی بابل کا گھر چھوڑ کر پیا کے دیس جانے کو تیار ہوتی ہے۔ یہ لمحات کسی حساس طبیعت انسان کے لئے نہایت مشکل ہوتے ہیں۔ کسی بچی کے رخصتی کے لمحات میں میں ذاتی طور پر کسی نہ کسی بہانے ادھر ادھر غائب ہو جاتا ہوں۔ میرے ساتھ تو یہ لطیفہ بھی ہوا کہ خود اپنی شادی پر اپنی ہم سفر کو لے جاتے وقت آب دیدہ ہوتے ہوتے بچا اور اپنی تمام تر قوت برداشت کے ساتھ اپنے آپ کو کنٹرول کیا مگر پھر بھی وی سی آر کی ظالم آنکھ نے چہرے کے تاثرات کو ریکارڈ کرلیا جو میرے لئے بہن بھائیوں میں ہنسی مذاق کا باعث بنے رہتے ہیں۔

بہرحال یہ کٹھن لمحات بلقیس محمود کی شاعری میں قاری کا برا حال کرتے ہیں۔ ایسی ایسی نظمیں ہیں کہ شاید ہی کوئی حساس قاری ایک نشست میں ساری نظم کو پڑھ سکے۔ جدائی اور ہجر کی ساعتوں سے خوف زدہ شاعرہ فراق کے لمحات کو کیا کہتی ہے۔ آپ بھی محظوظ ہوں ۔

مجھے ہر وقت کرگس ساعتوں سے خوف آتا ہے
دل ماضی گزیدہ تازہ زخموں سے ڈراتا ہے

بلقیس محمود کے ہاں بہن بھائیوں کی باہم محبت کا ایسا جذبہ پایا جاتا ہے جو ہماری معاشرت میں' کم از کم عصر حاضر میں نادر اور نایاب ہو چکا ہے۔ وہ بہن بھائیوں کو اپنے

Marfat.com

والدین کے "متاع بے بہا" کہتی ہیں۔ وہ تو بہن اور بھائی کے مقدس رشتوں کو پوجنے کی قائل ہے۔ ایک نظم بعنوان "والدین کے متاع بے بہا" کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

انہیں دیکھو انہیں پوجو یہ چہرے پھر نہیں ہوں گے
جبین گلستان خوش رنگ سہرے پھر نہیں ہوں گے

جہاں رکھیں قدم یہ' تم وہاں نوک پلک رکھ دو
تم ان کی زندہ چوکھٹ پر زمیں رکھ دو' فلک رکھ دو

میرا دل خون روتا ہے یہ چہرے پھر نہیں ہوں گے
انہیں دیکھو انہیں پوجو یہ چہرے پھر نہیں ہوں گے

ہمارے ادب اور شاعری میں محبوب اور محبت کا تصور عورت کے لئے مرد (نامحرم) اور مرد کے لئے عورت (نامحرم) ہوتی ہے۔ شعراء نے عموماً" ان رشتوں کو شاعری کا موضوع نہیں بنایا۔ اگر کسی رشتے کو شاعری نے قبول کیا ہے تو وہ بالعموم "ماں" کا ہے۔ بعض شعراء کے ہاں "ماں" کے مقام کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ وہ بھی کسی فرد واحد کی ساری شاعری میں ایک دو یا تین نظموں میں ماں کا موضوع اپنایا گیا۔ باپ کو تو شاید ہی کسی شاعر کے کلام میں جگہ ملی ہو۔ بھائیوں بہنوں کے موضوعات بھی شاید ہی کسی شاعر کے ہاں ہمیں نظر آئیں جبکہ بلقیس محمود کی شاعری کا تقریباً" ستر (70) فیصد حصہ انہی رشتوں کی محبت میں موجود ہے بلکہ بلقیس محمود نے تو بعض ایسے رشتوں کو محبت بھرے لفظوں میں پرویا ہے جو بلامبالغہ اردو شاعری میں صرف اور صرف ان کے ہاں ہی نظر آتے ہیں مثلاً "رفعت کے نام" (رفعت ان کی دوست اور شاگرد ہیں) "اپنی خالہ کی موت پر" ، "بھائی کے نام" ، "زاہدہ کے نام" (زاہدہ ان کی دوست ہیں) وغیرہ وغیرہ۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بلقیس محمود Joint family system کی شدت سے قائل ہیں۔ ایک ایسا خاندانی نظام جس میں سب بھائی بہن مل جل کر ہنستے کھیلتے زندگی کے دن گزار دیں۔ ماں باپ کا سایہ ہمیشہ ان کے سر پر قائم و دائم رہے۔ کوئی کسی سے ناراض نہ ہو۔ کوئی کسی سے جدا نہ ہو۔ کسی ایک کو کانٹا چبھے تو تمام اہل خانہ کا درد سے برا حال ہو جائے۔ ایک عجیب و غریب قسم کا محبت' پیار اور چاہتوں سے بھرپور خاندانی نظام کی خواہش اپنے دل میں رکھتی ہے۔ ایسا خاندانی نظام جس پر کبھی نفرتوں کی دھوپ نہ پڑے۔ ایسے لوگ اپنے اردگرد دیکھنا چاہتی ہے جو ہر سمت محبت ہی محبت بانٹتے نظر آئیں۔ ایسے نادر اور نایاب جذبات' افکار' خیالات اور اشعار کی خالق بلقیس محمود کی شاعری کو اردو شعرو ادب کی دنیا میں "عجائب گھر" ہی کہا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

یہی وصف ممتاز بلقیس کا تھا
کہ وہ مہرو اخلاص کی اِک کِرن تھی

بُھلا رکھا تھا اُس نے اپنے دکھوں کو
وہ حُبِّ عزیزاں میں اِتنی مگن تھی

بہت یاد رکھتی تھی بچھڑے ہُوؤں کو
یہ خوشبوئے یاد اُس کا موضوعِ فن تھی

کچھ اِس درجہ جاذب تھی شخصیت اُس کی
سرِ انجمن زینتِ انجمن تھی

اُجالا سا تھا بزم میں جس کے دَم سے
وہ ایسی درخشندہ شمعِ سُخن تھی

یہی اُس کے بارے میں کہتے ہیں سارے
بڑی دردمند اور مُحبِّ وطن تھی

عجب اُس کے لہجے میں شفقت تھی انورؔ
وہ ممتا سے لبریز طرزِ سُخن تھی

انورؔ مسعود

8254

ادارہ الاویس
IDARAH - AL - AWAIS LAHORE
ادارۃ الاویس لاہور
Marfat.com